جوش و عمل

حکیم محمد مصطفیٰ خاں صاحب مداح

طبع اوّل

مطبوعہ جید برقی پریس دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء

بار اوّل

قیمت ۱۲ر

انتساب

میں اس مجموعۂ نظم کو ہندوستان کے ان اولوالعزم اور
باحمیت نوجوانوں کے نام پر معنون کرتا ہوں۔ جو ملک کی جنگ
آزادی میں بلا تفریق مذہب و ملت جان و مال سے شریک ہیں
اور جن کا نصب العین انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا اور اپنی
مشترکہ قومی حکومت قائم کرکے ملک کو پھر اسی منتہائے کمال پہ
پہنچانا ہے جس پر وہ غارتگرانِ یورپ کی لوٹ کھسوٹ سے پیشتر
تھا۔

دعاگو
حکیم محمد مصطفےٰ خاں مداح

پیغامِ حق

پاس تیرے ہو جو کچھ سرمایۂ صدق و خلوص — پیش کر دے ملک کی بے لاگ خدمت کے لئے
اُٹھ اور اپنے آدمی ہونے کا دے اس کو ثبوت — رو رہی ہے آج دُنیا آدمیت کے لئے
یہ بھی تیری خوش نصیبی ہے کہ تجھ سے تیرا سر — غیرتِ حق مانگتی ہے ملک و ملت کے لئے
دیکھنی ہو گر وطن میں عیش و راحت کی بہار — مستعد ہو جا ہر اک رنج و مصیبت کے لئے
عظمت و اقبال کا پرچم ہو لہرانا اگر — پیش کر دے خود کو ہر خواری و ذلت کے لئے
چاہتا ہے گر بقا دنیا میں اپنے نام کی — مر نہ ہرگز تو نمود و نام و شہرت کے لئے
جان اک حق کی امانت ہے اسے محفوظ رکھ — کب یہ مانگی جا سکے حق کی ضرورت کے لئے
چھوڑ دے عشقِ وطن میں نفع و نقصان کا خیال — ورنہ تو موزوں نہ ہوگا اس تجارت کے لئے
چاہتا ہے تو بنانِ دہر کی گر سرزنش — مستعد ہو جا جہنتوں سے بغاوت کے لئے
ہاتھ میں تیرے رہے ہر دم عنانِ عدل و رائے — ہر قدم تیرا اُٹھے حق و صداقت کے لئے

یا تو اُٹھ کر توڑ دے یہ سب قفس کی تیلیاں
یا پھر آمادہ نظر آ، رنجِ ذلت کے لئے

نعرۂ حق

جفا شعار ستم کیش غیرت دشمن — ڈرا رہا ہے تو آنکھیں یہ کیا دکھا کے مجھے

مرے قدم کو ہو جنبش یہ غیر ممکن ہے — پیام شوق سے دے درد و ابتلا کے مجھے

کوئی مجھے رہِ حق سے ہٹا نہیں سکتا — اگر یقین نہ ہو دیکھ لے ہٹا کے مجھے

زباں پہ کلمۂ حق کے سوا جو حرف آجائے — تو پھونک دے مری غیرت ابھی جلا کے مجھے

ہے آتش نار کا مداوا دین سے تجھ کو غم — یہ زہر دیکھ لے سو مرتبہ پلا کے مجھے

ہے میرے واسطے معراج روح تختۂ دار — تو خوش اگر ہے تو ہو دار پر چڑھا کے مجھے

نصیب ہے جو مجھے بقائے دوام — سنا رہا ہے تو احکام کیا قضا کے مجھے

سوا خدا کے کسی سے میں دب نہیں سکتا — نہ رکھ سکے گا تو ہرگز کبھی دبا کے مجھے

ترے ستم یہ نیا آئین ہوا نہیں قابل تسخیر — تو دیکھ لے غم و آلام میں پھنسا کے مجھے

مری صداقت جو تجھ کو علم آئی — کر دے سکے تو غم و رنج انتہا کے مجھے

خوشی کے ساتھ ہوں راضی ہر ابتلا کے لیے
تو منتخب مجھے کر تو بھی جفا کے لیے

"حصولِ آزادی کی دِقّتیں"

ہند کا آزاد ہو جانا کوئی آساں نہیں
دیکھنا تم کو ابھی کیا کیا دکھایا جائے گا

دیکھنا تم سے ابھی کتنے کئے جائیں گے مکر
کس طرح تم کو ابھی چکّر میں لایا جائے گا

تم میں ڈالا جائیگا اِک سخت و نازک تفرقہ
تم کو شہ دے دے کے آپس میں لڑایا جائے گا

پیشوایانِ مذاہب کو ملیں گی رشوتیں
ڈھونگ تبلیغ اور شدّھی کا رچایا جائے گا

دھرم رکھشا کے لئے تم سے لئے جائیں گے عہد
تمکو مذہب اپنا خطرے میں دکھایا جائے گا

لیڈروں سے ہونگے وعدے خلعت و انعام کے
قِلّت و کثرت کا ہنگامہ اُٹھایا جائے گا

تم کو پروانہ عطا ہوگا خطاب و جاہ کا
تم کو عہدے دے کے لالچ میں پھنسایا جائے گا

گر یہ تدبیریں مقدّر سے نہ راس آئیں تو پھر
دوسری صورت سے تم کو ڈھمکایا جائے گا

انتہائی بربریت سے لیا جائے گا کام
بند کرکے تم کو جیلوں میں سڑایا جائے گا

دانہ پانی کر دیا جائے گا بالکل تم پہ بند
تم کو بھوکوں مار کر قبضہ میں لایا جائے گا

گرم لوہے سے تمہارے جسم داغے جائیں گے
تم کو کوڑے مار کر اُلّو بنایا جائے گا

جائدادیں سب تمہاری ضبط کر لی جائیں گی
بال بچّوں پر تمہارے ظلم ڈھایا جائے گا

باوجود اِسکے بھی تم قائم رہے ضد پر اگر
بے تامُّل تم کو پھانسی پر چڑھایا جائے گا

اس طرح بھی تم اگر لائے نہ ابرو پہ شکن
سر تمہارے پاؤں پر آخر جھکایا جائے گا

"کھوئے ہوئے زمانے"

کیوں یاد آرہے ہیں بھولے ہوئے فسانے — گذری ہوئی بہاریں، کھوئے ہوئے زمانے

یا ایک برگِ گل کو آنکھیں ترس رہی ہیں — یا اپنے دامنوں میں پھولوں کے تھے خزانے

یا آج خاک و صرصر ہیں ان کی وجہِ زینت — یا تھے یہی گلستاں کل تک نگار خانے

یا آج خار و خس بھی ہم کو نہیں میسر — یا تھے کبھی گلوں کے جھرمٹ میں آشیانے

اب تک وہی صدائیں کانوں میں آرہی ہیں — وہ چہچہے وہ نغمے وہ راگ وہ ترانے

ہے یاد ہم صفیرو تم کو وہ عہد اپنا — بجتے تھے جب خوشی کے ہر وقت شادیانے

جب تھیں مسرتوں کی لہریں ہر ایک دل میں — ہر وقت ڈھونڈتے تھے تفریح کے بہانے

حسن و شباب کے وہ پرکیف عہدِ زریں — وہ عشق و عاشقی کے دلچسپ کارخانے

وہ جشنِ عیش و راحت وہ سازِ لطف و عشرت — آنکھوں میں پھر رہے ہیں اب تک وہی زمانے

ناداں سمجھ کے ہم کو صیاد نے چمن میں — دامِ ہوس بچھا کر ڈالے وہ چند دانے

جن کے لئے ہم اب تک پچھتا رہے ہیں ہمدم
کُنجِ قفس کے اندر کھا کھا کے تازیانے

"دیکھئے کب تک رہے"

دیکھئے کب تک رہے ہند پہ قہرِ خدا۔
مذہب و ملت میں جنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک نہ ہو شیخ و برہمن میں صُلح
مُلک کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک چلیں ملک میں یہ لاٹھیاں
معرکہ نسل و رنگ دیکھئے کب تک رہے۔

دیکھئے کب تک نہ ہوں ختم یہ آویزشیں
بارشِ تیر و خدنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک بہیں خُون کی یہ ندیاں
حملۂ تیغ و تفنگ دیکھئے کب تک رہے

دیکھئے کب تک رہے ملک پہ دشمن کا دانت
لقمۂ شیر و پلنگ دیکھئے کب تک رہے
دیکھئے کب تک پھرے قسمتِ ہندوستاں
اس پہ جفائے فرنگ دیکھئے کب تک رہے

صیّادِ فرنگ

ملک پر یہ بھی ہے اک قہر خدائے ذوالجلال
ایک مدّت سے ہیں شیخ و برہمن مصروفِ جنگ
چل رہی ہیں لاٹھیاں برپا ہے اک شورِ نشور
کار فرما ہیں بہر سو خنجر و تیغ و تفنگ
ہر طرف اک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں سب
اب نہ وہ پہلی سی الفت ہے نہ وہ پہلا سا رنگ
مہر و الفت کی جگہ ہیں نفرت و بغض و عناد
آشتی و صلح کے بدلے ہیں اب تیر و خدنگ

اُف یہ بدحالی وطن کی اور یہ اپنی رَوِش
آہ یہ حالاتِ مُلکی اور یہ آپس کی جنگ
ہمکو آزادی کی کیا اُمید اس ماحول میں
منزلِ مقصود کیونکر طے کرے گا پائے لنگ
بٹ گئیں جو قوتیں پھر کب وہ قوت رہ گئیں
نالیوں میں منتشر پھرتا ہے آبِ رود گنگ
کاش اس نکتہ پہ بھی ہم غور فرمائیں کبھی
اور آپس میں کریں پیدا وہی اگلے سے ڈھنگ
وقت ہے اب بھی کہ اپنے ہوش ہو جائیں بجا
عقل آجائے تو ہیں اب بھی وہی سامانِ رنگ
ورنہ اب اُس وقت سے غافل نہ رہنا چاہیئے
پیس ڈالے ہم کو اک ادنیٰ سی گردشِ بے دِرنگ
چاہیئے کچھ زورِ بازو سے قفس میں کام لیں
یوں تو کیا ہم کو رہائی دے گا صیادِ فرنگ"

سودائے وطن

تھے جو سودائی ملک و قوم و وطن — شوق سے چڑھ گئی تختہ دار پر
تھے ہزاروں ہی ایسے جواں مرد جو — کر گئے رقص تلوار کی دھار پر
سینکڑوں تھے جنہوں نے خود اپنے گلے — رکھ دیئے بڑھ کے شمشیر خوں خوار پر
جان دے دی مگر آن اپنی نہ دی — یعنی قائم رہے حق کے اصرار پر
آخر کار باطل کو دے کر شکست
کر لیا قبضہ دشمن کی تلوار پر

"ڈیم یو"
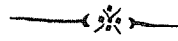
مجھکو اپنی وفاداریوں کا صلہ — ایک مدت سے ملنے کی تھی آرزو
شکر ہے آج اُس نے بلا کر مجھے — آنکھیں دکھلائیں اور کہہ دیا "ڈیم یو"
آدمی کیوں بنایا مجھے اے خدا — ٹھوکریں ہی جو قسمت میں ہیں بوٹ کی
کاش کتا میں ہوتا کہ وہ مِس مجھے — پیار کر کے بڑھاتی مِری آبرو

تہذیبِ جدید

تعلیم کا فیض ہو ہمہ گیر | تہذیب کی ہیں کشادہ راہیں
ہر سر میں یہی ارتقا کا سودا | معمور ہیں سب امید گاہیں
شلوار کو ہو جنونِ سایہ | کیں ہیٹ نے برطرف کلاہیں
آباد ہیں شیخ ہوٹلوں میں | ویران پڑی ہیں خانقاہیں
آنکھوں کو ہو شوقِ برق پاشی | ہر سمت سے اُٹھ رہی ہیں آہیں
تخریب کے واسطے کھلی ہیں | نیچر کی تمام شاہ راہیں

اُٹھے اے کاش جلد پردہ
مشتاق ہیں دیر سے نگاہیں

مجکو ہے دُھن وطن کی

مشکِ ختن کو ہر دم بس جستجو ختن کی | دُرِّ عدن کی آنکھیں جو یا فقط عدن کی
لعلِ یمن کے لب پر بس گفتگو یمن کی | مُرغِ چمن کے دل میں حسرت فقط چمن کی

میں ہوں وطن کا شیدا مجکو ہے دُھن وطن کی

کوئی کسی کا جویا کوئی کسی کا خواہاں — کوئی کسی پہ مفتوں کوئی کسی پہ نازاں
کوئی کسی سے برہم کوئی کسی سے نالاں — دنیا ہوا اپنے اپنے افکار میں مگر ہاں

میں ہوں وطن کا شیدا مجکو ہے دُھن وطن کی

سرمایہ دار کو ہے غُرّہ زر و گہر کا — مُفلس کی شام کو ہے غم فاقۂ سحر کا
عاشق کو ہے وظیفہ معشوقِ فتنہ گر کا — لیکن بلند تر ہے نقطہ مری نظر کا

میں ہوں وطن کا شیدا مجکو ہے دھن وطن کی

لالچ کا دیو مجکو ہرگز نہ کھا سکے گا — قید و بلا کا خطرہ مجکو نہ آ سکے گا
باطل کا خوف مجکو کیوں کر ڈرا سکے گا — کوئی مرے قدم کو کیا ڈگمگا سکے گا

میں ہوں وطن کا شیدا مجکو ہے دُھن وطن کی

پیغام عیش مجکو ہے عہدِ قید خانہ — ہیں اعتکاف کے دن یا جیل کا زمانہ
جلا دہی ہے مجکو اک عشقِ غائبانہ — دار و رسن سنیں گے مجھ سے یہی ترانہ

میں ہوں وطن کا شیدا مجکو ہے دُھن وطن کی

پیغامِ عمل

کہاں تک دوستو پامال ہوگے رنج و ذلت میں
بس اب ہشیار ہو عقل و خرد کو کام میں لاؤ
تمہارے اِس نزاعِ باہمی نے تم کو کھویا ہے
بس اب تفریق کو چولھے میں ڈالو ایک ہو جاؤ
کہاں تک یہ قتال و جنگ و خوں ریزی کی مشق آخر
کبھی تو اپنے اِن کردار نازیبا پہ شرماؤ
کہاں تک سر پھٹوّل یہ محرّم اور دسہرے میں
کبھی تو ان بُرے اعمال پہ کچھ دل میں پچھتاؤ
کہاں تک سُبحہ و زنّار کی آویزشیں یارو
خدا کے واسطے اب اس جہالت پر نہ اِتراؤ
یہ قوت جو بہم ٹکرا کے تم برباد کرتے ہو
اسے اِک تیسری قوت کے آگے کام میں لاؤ
یقیناً دم میں کر دو مُلک کو اغیار سے خالی

اگر تم ایک ہو کر آج میداں میں اُتر آؤ
تمہارا ملک ہے محروم آزادی کی نعمت سے
اُٹھو اور اسکے سر پر رحمتوں کے پھول برساؤ
یہاں دریا بہا دو علم کے حکمت کے صنعت کے
اسے بامِ عمل کی آخری منزل پہ پہنچاؤ
بغیر آزادیِ کامل کے عزت مل نہیں سکتی
یہ اِک نکتہ ہے جِس پر کاش تم بھی غور فرماؤ
بس اب حد ہو گئی بے غیرتی و بے حیائی کی
اگر شمّہ بھی ہے اِحساس کا تو اب سنبھل جاؤ

"اُٹھو نوجوانو"

اُٹھو ہاں اُٹھو ہاں اُٹھو نوجوانو سحر ہو گئی سر پہ چادر نہ تانو
ضرورت جو کہتی ہے ٹھیک اسکو جانو اُٹھو اور اب وقت کا حکم مانو

اُٹھو نوجوانو، اُٹھو نوجوانو

کڑی راہ ہے اور دشوار منزل ہزاروں ہی خطرے ہیں رستے میں حائل

جو سوتے رہے تم اسی طرح غافل — تو ہے کامیابی بہت سخت مشکل

اُٹھو نوجوانو، اُٹھو نوجوانو

تمہارے جو ساتھی تھے وہ چل پڑے سب — کئے طے ہر اک نے مراحل کڑے سب

ہیں منزل کے نزدیک چھوٹی بڑی سب — مگر تم اسی طرح سے ہو پڑے سب

اُٹھو نوجوانو، اُٹھو نوجوانو

جئے کیا اگر تم جئے خوار ہو کر — رہے کیا جو سب پر رہے بار ہو کر

نہ بیٹھو اب اِسطرح بے کار ہو کر — نکل آؤ میداں میں تیار ہو کر

اُٹھو نوجوانو، اٹھو نوجوانو

عبث ہے غمِ رنج و آلام کرنا — ضروری ہے اب فکرِ انجام کرنا

ابھی وقت ہی ہو اگر کام کرنا — چلو، چل کے منزل پہ آرام کرنا

اٹھو نوجوانو، اُٹھو نوجوانو

"کڑے مرحلے"

نہیں سہل آزادئ ہند یارو — ابھی تم کو میداں میں آنا پڑے گا
ابھی امتحاں تم کو دینے پڑیں گے — ابھی تم کو جیلوں میں جانا پڑے گا
ابھی چکیاں پیسنی ہوں گی تم کو — ابھی پمپ و گرّہ چلانا پڑے گا
ابھی جسم ہوں گے لہو پتھروں سے — ابھی زخم سینے پہ کھانا پڑے گا
پڑے گا ابھی کام تیغ و تبر سے — ابھی خاک و خوں میں نہانا پڑے گا
چلیں گی ابھی ہر طرف گن مشینیں — ابھی توپ کی زد پہ آنا پڑے گا
ہوائی جہاز آ کے یورش کریں گے — ابھی سر پہ بم کا نشانا پڑے گا
یہ سب امتحاں ختم ہو جائیں گے جب — تو سر تم کو اپنا کٹانا پڑے گا
کھچو گے ابھی تختۂ دار پہ تم — ابھی تم کو پھانسی پہ جانا پڑے گا

بہت سے کڑے مرحلے راہ میں ہیں
یہ طے کر کے منزل تک آنا پڑے گا

بسنت

بسنت آیا ہے لیکن ہم کو اسکی کیا خوشی ہمدم
یہاں تو بس دلِ مغموم ہے اور گھر کا کونا ہے

ملی ہے بدنصیبی سے وہ قسمت ہند والوں کو
ازل سے تا ابد جن کے لیے رونا ہی رونا ہے

اِدھر ہے کارفرما جان بل صاحب کی پالیسی
کہ جس سے قتل و غارت کا مرقع کونا کونا ہے

مُسلّط ہے فلاکت سو (۱۰۰) میں نوے (۹۰) ایسے نکلیں گے
نہ جن کو اوڑھنا ہے اور نہ جن کو یاں بچھونا ہے

اِدھر جو ناخدایانِ وطن ہیں وہ یہ کہتے ہیں
کہ یہ بیڑا تو ہم کو بیچ دریا میں ڈبونا ہے

ہیں بس پیشِ نظر سب کے لڑانے ہی کی اسکیمیں
جہاں دیکھو محرّم اور دسہرے ہی کا رونا ہے

اِدھر کوتہ نگاہی کا ہماری ہے عجب عالم
کہ دنیا جسکو مٹی جانتی ہے ہم کو سونا ہے

کہاں کی اب رواداری و ہمدردی و دلسوزی
اب اس کا تذکرہ بھی وقت کا بیکار کھونا ہے

یہ سنتے ہیں کبھی شیر و شکر تھے ہندو و مسلم
مگر اب تو یہ کہنا موردِ الزام ہونا ہے

خدا حافظ اب استحکامِ قصرِ ملک و ملّت کا
کہ بنیادیں تو کھوکھل ہو چکیں لونا ہی لونا ہے

یہی لیل و نہارِ دہر باقی ہیں تو سُن رکھو
یہ اک شمّہ ہے اُس کا جو ابھی کچھ دن میں ہونا ہے

"راہ راست"

جو حق پر ہے ایمان کامل ہمارا
بنائے گا کیا زورِ باطل ہمارا

جو ہم متحد ہو کے رہتے وطن میں
نہ تھا کوئی مدِ مقابل ہمارا

غلامی کی خو بو مسلّط ہے ہم پر
دماغ اب ہمارا نہ اب دل ہمارا

رہ راست سے گر قدم ڈگمگایا
نہ ہوگا گذر تا بہ منزل ہمارا

جہاں سینٹ پر سینٹ ہیں اہلِ عالم
وہاں درجہ فضل ہے "نِل" ہمارا

ہیں آوارہ دشت مجنوں کی صورت
نہ لیلیٰ ہماری نہ محمل ہمارا

نہ کشتی نہ کشتی کے ملاح اپنے
نہ دریا نہ دریا کا ساحل ہمارا

تعصب نے برباد ہم کو کیا ہے
یہی تو یہی صرف قاتل ہمارا

وطن پر مسلط ہیں انگریز جب تک
پہنپنا یقیناً ہے مشکل ہمارا

"خدا پر نظر"

ہر طرف ہو اگر دشمنوں کا اثر — چار جانب سے ہے گر بلاؤں کا ڈر
ہر جگہ ہے اگر کلفتوں کا گذر — دل میں ہرگز نہ لاؤ کوئی تم خطر
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

شدت درد و غم سے برا حال ہو — رنج و افلاس و نکبت سے پامال ہو
کوئی الجھن ہو کوئی جنجال ہو — آندھیاں ہوں تنزلزل ہو بھونچال ہو
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

رہ کے باطل کی فکرِ ہلاکت میں تم — مستقل رہ کے حق کی حمایت میں تم
رہ کے ثابت قدم ہر مصیبت میں تم — نام کر دو خلوص و صداقت میں تم
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

کوئی طاقت تمہارا بنائے گی کیا — کوئی تکلیف تم کو ڈرائے گی کیا
کوئی ہیبت تمہیں ڈگمگائے گی کیا — کوئی قوت تمہیں آزمائے گی کیا
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

مل کے سب دل سے خدمت وطن کی کرو — خوب آراستگی اس چمن کی کرو

فکر تن کی کرو اور نہ من کی کرو　　　　کوئی پروا نہ رنج و محن کی کرو
رکھو ہر وقت اپنے خدا پر نظر

جوشِ حق

خاک میں خود کو ملا دوں گا میں لیکن اے وطن　　تیری عظمت کا پھریرا عرش پر لہراؤں گا
گو مجھے تحت الثریٰ ہی میں نہ کیوں جانا پڑے　　تجھکو لیکن بامِ رفعت افلاک تک پہنچاؤں گا
توڑ ڈالوں گا یہ محکومی کی زنجیریں تری　　تجھکو زندان خانہ سے عشرت کدہ میں لاؤں گا
تخت پر تجھکو بٹھاؤں گا پہنا کر تاج زر　　تیرے آگے تیری آزادی کے نغمے گاؤں گا
ہر بلا میں مبتلا ہوں گا میں تیرے واسطے　　ہر مصیبت کے لئے آمادہ خود کو پاؤں گا
جیل میں رہنا پڑا مجکو تو کوئی غم نہیں　　شوق سے میں چکیاں پیسوں گا ڈنڈے کھاؤں گا
تازیانے ہوں کہ ٹکٹکی بیت ہو یا ہتھکڑی　　ذلتیں کیا میری کریں گی جو میں گھبراؤں گا
گن مشینیں ہر طرف سے گھیر لیں گی گر مجھے　　گولیوں کی زد پہ سینہ تان کر آجاؤں گا
مجھکو پھانسی گھر میں بھی محبوس اگر رکھا گیا　　تیری دھن سی تیری فکروں سے نہ میں باز آؤں گا
دیدیا جاؤں گا جلادوں کے قبضہ میں اگر　　اے وطن پھر بھی نہ ابرو پر شکن میں لاؤں گا

چلتے چلتے تجھ پہ سر اپنا فدا کر جاؤں گا
اور جنت میں تری مدحت کے نغمے گاؤں گا

”جوہرِ حبِّ وطن“

جوہرِ حبِّ وطن سے دل گر اپنا ہو تہی — مل نہیں سکتا زمانے کا کوئی جوہر ہمیں
اپنے گھر کا کر نہیں سکتے اگر ہم بندوبست — دے نہیں سکتا اماں دنیا کا کوئی گھر ہمیں
یا خدا پیدا کر ان میں قوتِ پرواز بھی — گر عطا تو نے کیے ہیں بازو و شہپر ہمیں
ہمتِ مردانہ ہو گی اپنی سب میں پیش پیش — جب وطن کے واسطے دینا پڑے گا سر ہمیں
ہیں ہمارے سامنے دنیا کے سارے مار پیچ — دے نہیں سکتا کبھی اب آسماں چکر ہمیں
اب شبِ دیجور کی ظلمت ہمیں راس آ چکی — روز روشن کر چکا ہے نور کا خوگر ہمیں
ہو چکی ہے ہیبتِ حق دل کے اندر جاگزیں — اب پریشاں کر نہیں سکتا بتوں کا ڈر ہمیں
کھل چکا ہے ہم پہ باطل کا ہر اک مکر و فریب — اب ہٹائے گا رہِ حق سے کوئی کیونکر ہمیں
کھل چکی ہے پالسی کی ہم پہ سب افسوں گری — اب نچا سکتی نہیں یورپ کے بازیگر ہمیں
مستعد بیٹھے ہیں ہم ہر امتحاں کے واسطے — کیا ڈراتے ہیں سنان و دشنہ و خنجر ہمیں

کاش ہم میں ہو سکیں پیدا وہی ساری صفات
یاد کرتی ہے ابھی تک جن سے دنیا بھر ہمیں

"پیامِ وطن"

یہ ابنائے وطن کی ذلت و رسوائی پیہم
جہاں تک ہو سکے اے دوستو بس ختم فرما دو

جو تم چاہو تو ہو جائے ابھی اک حشر سا برپا
ہر اُس قوت کو جو تم سے بگڑے سر اُس کا ٹکرا دو

تم اپنے جوہرِ مردانگی کو کام میں لا کر
نمونہ اپنی غیرت کا زمانہ بھر کو دکھلا دو

نفاق و سرکشی و فتنہ و افساد کے بدلے
دلوں میں دوستی و آشتی کی لہر دوڑا دو

قتال و جنگ و خونریزی کی عادت چھوڑ دو بالکل
صفا و الفت و صدق و وفا کو دل میں رچا دو

کسی ظالم کو اپنا حکمراں ہرگز نہ مانو تم
وہ ہر قانون جس کو تم برا کہتے ہو ٹھکرا دو

تمہارا خاص نصب العین ہو آزادی کامل
یہ پیغام اپنے ارباب وطن کے پاس پہنچا دو

جو زور آور ہوں تم میں اُن کی امدادیں کرو حاصل
جو ہوں کمزور اُن کو اپنے بازو کا سہارا دو

سکھائی ہے نئی تہذیب نے یہ بزدلی تم کو
ضرورت ہے کہ اسکو اب سمندر پار پھکوا دو

تمہیں فیشن نے بے کار اور اپاہج کر دیا بالکل
جہاں تک ہو سکے بنیاد اس ظالم کی کھدوا دو

تعصب تم کو آپس میں کبھی ملنے نہیں دیتا
یہ دیواریں جو اس نے کھینچ رکھی ہیں انہیں ڈھا دو

یہ جو کچھ ہو رہا ہے جان بل صاحب کی برکت ہے   ضرورت ہے کہ ان کو اب ٹکٹ لندن کا دلوا دو

دعوتِ ابتلا

او جفا جو او ستمگر او وفا نا آشنا   مجکو غم دے کر ستم ڈھا کر مٹا کر دیکھ لے

ڈال سکتا ہو اگر لالچ مرے اوپر یہ بل   میرے آگے ڈھیر توڑوں کی لگا کر دیکھ لے

مکر کا جادو جو ہو سکتا ہو مجھ پر کارگر   مجکو چل دے کر مجھے دھوکے میں لا کر دیکھ لے

گر خوشامد ڈگمگا سکتی ہو میرے پاؤں کو   میرے آگے سر جھکا کر گڑگڑا کر دیکھ لے

عیش و عشرت سے جو میرا جوش ہو سکتا ہو سرد   مجکو خسخانوں میں پھولوں پہ سلا کر دیکھ لے

فقر و فاقہ مجکو کر سکتا ہو گر بے راہ رو   اس مصیبت میں بھی تو مجکو پھنسا کر دیکھ لے

ذلتیں مجکو ارادے سی جو رکھ سکتی ہوں باز   تو مجھے دنیا کی نظروں سی گرا کر دیکھ لے

خوف اگر مجکو ہٹا سکتا ہو راہِ راست سے   مجکو اچھی طرح دھمکا کر ڈرا کر دیکھ لے

رنج قید و بند غالب آ سکے مجھ پر اگر   شوق سی تو بیڑیاں مجکو پنہا کر دیکھ لے

قتل ہی گر آخری تدبیر ہو میرے لئے   دار کے تختے پہ بھی مجکو چڑھا کر دیکھ لے

ہوں گی ثابت سب یہ تیری کوششیں بے کار محض
جس طرح چاہے تو مجکو آزما کر دیکھ لے

حق و باطل

اک طرف اک جانِ ناکارہ بحالِ تباہ ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب اک ہجومِ لشکر و فوج و سپاہ

اک طرف ناسازی و درماندگی و ابتری ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب نخوت و عجب و غرور و خودسری

اک طرف بے دردیاں بے مہریاں بیزاریاں ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب یاریاں دلداریاں غمخواریاں

اک طرف فقر و فنا و ذلت و بند و قیود ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب بذل و جود و خلعت و جنس و نقود

اک طرف گل خانہ و خاشاک و خاک و خشت و کوہ ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب قلعہ و ایوان و قصرِ پرشکوہ

اک طرف خونِ جگر میں بھی کچھ آثارِ کمی ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب گردشِ صہبا و دورِ خرمی

اک طرف سختیِ قید و بندشِ دامِ بلا ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب عیشِ آزاد و نعیمِ برملا

اک طرف کانٹوں کے بستر پہ تنِ زار و نزار ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب فرشِ گل پر خوابِ شیریں کی بہار

اک طرف شورِ فغان و نالہ و فریاد و آہ ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب نغمۂ چنگ و صدائے واہ واہ

اک طرف حلقوم خشک و دیدۂ نمناک و تر ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب انگبین و شیر و برفاب و شکر

اک طرف اک بوند پانی چشمۂ آبِ حیات ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب قبضۂ قدرت میں دریائے فرات

اک طرف اک لاشۂ بے سر کمندِ دار میں ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب جشنِ شادی کوچہ و بازار میں

سب یہ باتیں ہیں بظاہر حق کی قلت کا سبب
ہیں حقیقت میں مگر باطل کی ذلت کا سبب

کتابِ عبرت

قسمت کی یہ ذلّت دوامی
ہے تیرے سبب سے اے غلامی

جب تیری نحوستیں ہیں معلوم
ہم کیوں نہ ہوں برکتوں سے محروم

کیوں ہم میں نہ ہوں وہ ساری بدیاں
ہیں تونے گذاریں جن میں صدیاں

کردار و عمل طریق و اطوار
سب میں ہے ترا اثر نمودار

اخلاق و مراتب و فضائل
پستی ہی کی سمت سب ہیں مائل

جرأت ہے نہ عزم و استقامت
ہے ہر قدم اپنا اک ندامت

عقل و خرد و تمیز و ادراک
گویا ہیں دبے ہوئے تہِ خاک

نیّت ہے بجا نہ قول راسخ
اعمال سے بُعد ہے فراسخ

ہے ذہن و دماغ و دل کی قوت
وقفِ حسد و عناد و نفرت

ہر صلح میں ہے نفاق کی شان
ہر جمع میں افتراق کی شان

اندیشہ زبوں خیال بھی پست
ماضی بھی تباہ حال بھی پست

کچھ ہم میں اگر ہنر ہیں موجود
وہ عیب سے بھی سوا ہیں مردود

نیکی کے جو کچھ ہیں ہم میں جوہر — کھوئے ہوئے ہیں بدی کے اندر
افلاس و زبونی و فلاکت — دن رات ہیں درپے ہلاکت
اس درجہ خراب ہوگئے ہیں — عبرت کی کتاب ہو گئے ہیں
جب تک ہیں ہم اس طرح سے باقی
گویا ہیں وجودِ اتفاقی

اہلِ حق کی پہچان

شوکتِ اسکندر و اقبالِ جم — کر نہیں سکتی ہیں گردن اُسکی خم
وہمِ استبداد و خوفِ دار و گیر — کر نہیں سکتی اُسے ہرگز اسیر
زورِ باطل سے وہ ڈر سکتا نہیں — رخ سوئے طاغوت کر سکتا نہیں
جب زبانیں ہوں گی حق گوئی پہ بند — حق کا آوازہ کرے گا وہ بلند
عام ہو جائیں گی جب غداریاں — حق کی خاطر وہ سہے گا خواریاں
ہوں گے جب افرادِ ملت حق فروش — وہ رہے گا حق شناس و حق نیوش
جب کھچیں گے حق کے حامی دار پر — رقص کرتا ہوگا وہ تلوار پر

جُرم ہو گی جب محبت مُلک کی — وہ کرے گا کُھل کے خدمت ملک کی

وہمِ آزادی بھی جب ہو گا گناہ — ہو گی آزادی سے اُس کی رسم و راہ

ہو گی جب حبِ وطن وجہِ عتاب — وہ وطن کو دے گا درسِ انقلاب

جب حکومت ہو گی حرص و جاہ کی — وہ خلش ڈھونڈے گا درد و آہ کی

عام ہوں گے جب فریب و مکر و زور — وہ فریب و مکر سے ہو گا نفور

ذلت اس کا سر جُھکا سکتی نہیں — دہشت اُس کو ڈگمگا سکتی نہیں

قید کی سختی سے ڈر سکتا نہیں — خوفِ جان و مال کر سکتا نہیں

حرف آئے گا اگر ایمان پر
کھیل جائے گا وہ اپنی جان پر

ملک کی محبّت

جسے ملک سے اپنے الفت نہیں ہے — وہ دل قابلِ عفو و رحمت نہیں ہے

بڑی چیز ہیں اتحاد و محبّت — بغیر ان کے دنیا میں عزت نہیں ہے

خدایا وطن کی محبت عطا کر — کہ اس کے سوا کوئی دولت نہیں ہے

یہ آپس کی ناچاقیاں ختم کر دو — کوئی اس سے بڑھ کر جہالت نہیں ہے
جو تعلیم دیتا ہے جنگ و جدل کی — کبھی مُصلحِ مُلک و مِلّت نہیں ہے
جو رکھتا ہے آپس میں بغض و عداوت — وہ ہرگز سزاوارِ عظمت نہیں ہے
سکھاتا ہے جو خود سری و شرارت — وطن کو اب اُس کی ضرورت نہیں ہے
الٰہی اُن آنکھوں کو بے نور کر دے — جن آنکھوں میں نورِ مروت نہیں ہے
جو انسان ہے آدمیت سے خالی — اُسے جانور پر فضیلت نہیں ہے
نہیں عزتِ قوم جس کی نظر میں — جہاں میں کہیں اُس کی عزت نہیں ہے

حکومت وہ برباد ہو کر رہے گی
رعایا کو جس کی ضرورت نہیں ہے

”گائے“

گائے کے سینگوں پہ قائم ہے یہ دنیا کا کُرہ — اک پرانا قول ہے بوڑھے بڑوں کی رائے ہے
آجکل اس قول کو لیکن اہمیت نہیں — سب مخالف اس کے ہیں کیا ننگ ہے کیا لوائے ہے
ہیں موید ہوں مگر اِس قول کا دعوے کے ساتھ — منحرف جس سے نہ موچی ہے نہ والیسرائے ہے

آج برٹش سلطنت ہے ساری دنیا کو محیط
اور بنیاد اس کے احیاء و بقا کی گائے ہے

"جان بُل"

ہے پاؤں جان بُل کا اس درمیاں میں جب تک — مشکل ہیں ختم ہونے ہندوستاں کے جھگڑے
اک بار اِن سے سازش اک بار اُن سے سازش — اک مرتبہ یہ تگڑے اک مرتبہ وہ تگڑے

بہتر یہی ہے ہمدم مل کر اُسے مٹا دیں
مٹنے کے ساتھ جس کے مٹ جائیں سب یہ رگڑے

"خدمتِ وطن"

وطن کی خدمتِ بے کوش ہے ہر شخص پر لازم — یہی وہ کام ہے جو آدمی کے کام آتا ہے
لگا دی جاتی ہے حبِ وطن میں جاں کی بازی بھی — اک ایسا بھی وفورِ جوش میں ہنگام آتا ہے
پلٹنے ہی کو ہے قسمت تمہاری اے وطن والو — تمہارے واسطے یہ عرش سے پیغام آتا ہے
غلامی دور ہوتی ہے تمہاری اب کوئی دم میں — حکومت اور سرداری کا پھر ہنگام آتا ہے
مصیبت ہے یہ بالکل عارضی اس پر گھبرانا — بس اب آتا ہے عہدِ راحت و آرام آتا ہے
وہی پھر بزم ہوگی، پھر وہی سب رنگینیاں ہوں گی — وہی پیمانہ آتا ہے وہی پھر جام آتا ہے

تم اپنی ناتوانی سے پریشاں اس قدر کیوں ہو
کبھی کمزور ہونا بھی بشکر کام آتا ہے

مٹا دیتا ہے دم میں نخوتِ نمرود اک مچھر
کبھی ایسا بھی دورِ گردشِ ایام آتا ہے

خدارا اس نزاعِ باہمی کو ختم فرما دو
ذرا سوچو کہ تم پر کس قدر الزام آتا ہے

کبھی چھڑتا ہے گر مذکور قوموں کی جہالت کا
تو سب سے پہلے کانوں میں تمہارا نام آتا ہے

یہ نکتہ یاد رکھو اسکو بھولا کہہ نہیں سکتے
جو وقتِ صبح جاکر گھر پہ وقتِ شام آتا ہے

"عشقِ وطن"

عشقِ وطن میں ذلت و خواری کا خوف کیا
دل میں تو ہمت یہ پیدا نہ کیجئے

ہر سختی و جفا کے لئے رہئے مستعد
ہر ابتلا میں ہمتِ مردانہ کیجئے

جلئے لگن میں قوم و وطن کی خوشی کے ساتھ
پروانہ وار جان کی پروا نہ کیجئے

زہرابِ غم ہے تشنۂ حق کے لئے دوا
ایسا نہ ہو کہ اس کو گوارا نہ کیجئے

لسانیوں میں جوشِ عمل کا پتہ کہاں
بس کام کیجئے، کوئی دعوا نہ کیجئے

ہر امتحاں کیواسطے رکھو دل اپنا سخت
سنگیں دلوں کا خوف کچھ اصلا نہ کیجئے

قید و بلا تو اہلِ وفا کا شعار ہے ہرگز عتاب و قہر کا شکوا نہ کیجئے
دار و رسن ہی ہے صلۂ خدمتِ وطن اسکے سوا کچھ اور تمنا نہ کیجئے
ہے یاس اِک گناہ مُسلماں کے واسطے خطرات بیم قلب میں پیدا نہ کیجئے
رستہ ہے راستی کا ہر اک پیچ و خم سے پاک اِس راہ میں کوئی خطرا اس کا نہ کیجئے؟

باطل پہ حق کی فتح یقینی تو ہے، مگر
اس معرکے میں جان کی پروا نہ کیجئے

اتفاق

اِک زمانہ کی سیاست کا ہے اس پر اتفاق
قوم مُردہ ہے نہیں ہے قوم میں گر اتفاق
جس قدر ہیں نعمتیں دنیا کی جتنی برکتیں
سب سے افضل سب سے اعلیٰ سب سے بہتر اتفاق

گھر کے باہر چاہتے ہو اپنی کچھ عزت اگر
چاہیئے پیدا کرو تم گھر کے اندر اتفاق

ساری دنیا کو لیے بیٹھے ہیں اپنے ہاتھ میں
آج دنیا میں ہے جن لوگوں کے اندر اتفاق

تم کو اِس طوفاں سے بچنا ہے تو لو اس کی پناہ
ہیں حوادث سیل باراں اور چھپّر اتفاق

نعمتیں دنیا کی پا لیتا ہے گھر بیٹھے وہ مُلک
جس کو ہو جاتا ہے قسمت سے میسر اتفاق

علم سے زینت زمانے کی، تجارت سے فروغ
حُسن انساں کا تمدُّن اور زیور اتفاق

چاہتے ہو فوقیت اپنے حریفوں پر اگر
چاہیئے پیدا کرو تم اپنے اندر اتفاق

اپنا لوہا تم کو منوانا ہے دنیا سے اگر
تم کو دے سکتا ہے اک تیغِ دو پیکر اتفاق

عظمتِ رفتہ تمہاری پھر تمہیں مل جائے گی
پھر وہی کر لو گے پیدا مُلک میں گر اتفاق

جانِ بُلبل کا دمِ سلامت ہے جو ہندوستان میں
ہندو و مسلم میں ناممکن ہے یکسر اتفاق

"اچھّے دِن"

بدلیں پھر رُخ اپنا ہوائیں   رنج کے بادل پھر چھٹ جائیں
خوشیاں اپنا رنگ جمائیں   عیش سے ہوں معمور فضائیں

راس آئیں یارب یہ دعائیں
مُلک کے پھر اچھّے دِن آئیں،

پھر گلزار بنیں ویرانے   پھر ہوں وہی رنگیں افسانے
پھر آجائیں اگلے زمانے   پھر ہوں وہی پُر کیف ترانے

پھر ہوں وہی دل چسپ صدائیں
مُلک کے پھر اچھّے دِن آئیں؂

دیس کی حالت ہو پھر چنگی   آئے وہی دورِ یک رنگی
ختم ہوں باتیں سب بے ڈھنگی   اُترے گلے سے طوقِ فرنگی

گورے سب ہجرت کر جائیں
مُلک کے پھر اچھّے دن آئیں

سکہ اپنا راج بھی اپنا　　تخت بھی اپنا تاج بھی اپنا
پبلس اپنا لاج بھی اپنا　　کل بھی اپنا آج بھی اپنا

ہم پھر اپنا ٹھاٹھ جمائیں
ملک کے پھر اچھے دن آئیں

مِل اپنے ہوں مال ہو اپنا　　سن اپنا ہو سال ہو اپنا
دولت اور اقبال ہو اپنا　　آکاس اور پاتال ہو اپنا

سب کچھ پھر اپنے ہو جائیں
ملک کے پھر اچھے دن آئیں

ہمارا دیس

جگ سے بھلا سنسار سے پیارا　　دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا
سب سے انوکھا سب سے نیارا　　دنیا کے جینے کا سہارا

پیارا بھارت دیس ہمارا

اس کے دریا اس کے سمندر　　اس کے سنگم اس کے بندر
پریم کی مورت پریت کا مندر　　حُسن و محبت کا گہوارا

پیارا بھارت دیس ہمارا

کتنی پرکیف اس کی ادائیں — کتنی دلکش اس کی فضائیں
مشک سے بڑھ کر اسکی ہوائیں — خلد سے بہتر اس کا نظارا

پیارا بھارت دیس ہمارا

ملک کو حاصل ہو آزادی — ختم ہو دورِ ستم ایجادی
دور ہو اس کی سب بربادی — چرخ پہ چمکے بن کر تارا

پیارا بھارت دیس ہمارا

یارب بندھن توڑ دے اس کے — کب تک بلکے کب تک سسکے
خاک کہاں تک ہو پس پس کے — پائے بس اب غم سے چھٹکارا

پیارا بھارت دیس ہمارا

ہم میں پیدا ہو یک جائی — سب ہوں باہم بھائی بھائی
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی — گائیں مل کر گیت یہ پیارا

پیارا بھارت دیس ہمارا

"ایڈریس"

(جیل سے رہا ہونے والے ایک نیچ کو)

جوانِ وطن جاتے ہو زنداں سے خدا حافظ   مگر اپنے فرائض سے کہیں غافل نہ ہو جانا
اُٹھانا زحمتِ رنج و بلا ثابت قدم رہ کر   حوادث ہائے رنگا رنگ سے بُزدل نہ ہو جانا
تمہارے سر میں پیش از پیش ہو سودائے حریت   کہیں محوِ فریبِ سختیِ منزل نہ ہو جانا
بُلائے گی تمہیں اپنی طرف آسائشِ گیتی   کہیں بہرِ خدا تم اس طرف مائل نہ ہو جانا
ڈرائے گا تمہیں خوف و ہراسِ ابتلا اکثر   کہیں دوں ہمتانِ ملک میں شامل نہ ہو جانا
ہٹائے جاؤ گے تم حق پرستی کی حمایت سے   کہیں ناحق اسیرِ حلقۂ باطل نہ ہو جانا
دیا جائے گا تم کو درس غداری ملت کا   کہیں اس زہر کی تاثیر سے غافل نہ ہو جانا
فریبِ مصلحت بینی میں آ کر اہلِ ظاہر کے   کہیں باطن میں زید و عمرو کے قائل نہ ہو جانا

تمہارا جذبۂ ایثار و خدمت رنگ لائیگا
مگر یہ ہے کہ بے پروائے مستقبل نہ ہو جانا

"دعا"

یا الٰہی دے تو ہمکو دولتِ فوز و فلاح
کر ہمارے دل میں پیدا جذبۂ صلح و صلاح

ہمکو محکومی و محرومی کی لعنت سے نکال
اس بلا سے اس پشیمانی و ذلت سے نکال

ہمکو آزادی عطا فرما غلامی دُور کر
ہم ہیں بے مقدور ہم کو صاحبِ مقدور کر

دور کر افلاس و ناداری ہمیں خوش حال کر
اور ملکوں کی طرح ہم کو بھی مالا مال کر

دے ہمیں امریکہ و یورپ کے فرزانوں کی عقل
دے نہ ایسی جیسی ہندوستاں کے دیوانوں کی عقل

ہم میں پیدا کر تو باہم اتفاق و اتحاد
دور فرما ہم سے حرص و کینہ و بغض و عناد

یہ کرشمے سب دکھائے ہیں ہماری پھوٹ نے
آ گئے باہر سے غارت گر جو ہم کو لوٹنے

دو سے گر ہم ایک ہو جائیں جہالت چھوڑ دیں
ہے یقیں اس تیسری قوت کو بالکل توڑ دیں

یا خدا ہم کو بنا روشن دماغ و خوش خصال
اترے گردن سے ہماری خوف و ذلت کا وبال

مُتحد اور مُتفق ہو کر کریں ہر کام ہم
دہر میں کہلائیں نیک آغاز و نیک انجام ہم

ہر خوشی ہو ساتھ ساتھ اپنی ہر اک غم ساتھ ساتھ
لطف ہے جب ہو دسہرہ اور محرّم ساتھ ساتھ

دُعائے ملک

یا خدا ہند کے حالات بدل دے بالکل
اس میں پھر علم و تمدن کا اُجالا کر دے

ملک والوں کو میسر ہو فلاح و بہبود
مرتبے ان کے زمانہ میں دو بالا کر دے

چشمِ پرنم کو عطا ہو وطن و قوم کا درد
اس کے ہر قطرے کو تو لولوئے لالا کر دے

دل کہ ہے نفرت و تفریق و تعصب کا کھنڈر
پریم اور پریت کا تو اس کو شوالا کر دے

ختم ہو دورِ آویزش و ناچاقی کا
ہر طرف شمعِ اخوت کا اُجالا کر دے

سوئیں کاریگر و مزدور سب آرام کے ساتھ
اہلِ سرمایہ و دولت کا دِوالا کر دے

دیس سے اپنے جسے ہو نہ کوئی ہمدردی
ایسے بےدرد کا تو دیس نکالا کر دے

جن کے دل میں خلشِ دردِ وطن ہو ناپید
اُس کے سینے میں غم و درد کا بھالا کر دے

ملک کی ناؤ کو کشتی کا نہ جسے ہو کوئی غم
دشمنِ گرگ کا تو اس کو نوالا کر دے

مل کے غیروں سے کرے قوم سے جو غداری
اُس کا منہ دودِ مذلت سے تو کالا کر دے

لکھ کے آزادیٔ کامل کی ہمیں دستاویز
عہدِ محکومی و ذلت کا قبالا کر دے

"جواب"

(سنٹرل جیل لکھنؤ کے نائب جیلر کی مدلل ہمدردیوں کا)

اشرار کے ظلم و ستم و جور و جفا سے — مانا کہ اب اک حشر بپا ہو کے رہے گا

مانا، وطن و قوم کی خدمت کا فدائی — بے نام و نشاں ہو کے فنا ہو کے رہے گا

مانا کہ پرستارِ حق و صدق و دیانت — آغشتۂ شمشیرِ جفا ہو کے رہے گا

حریتِ کامل کا جو ہوگا متمنی — سر اُس کا بس اب تن سی جدا ہو کے رہیگا

جس سر میں نظر آئے گا سودائے حکومت — پامالِ ستم ہائے بلا ہو کے رہے گا

جس سینہ میں ہوگی خلشِ دردِ اخوت — آماجگہِ تیرِ قضا ہو کے رہے گا

چاہے گا جو زنجیرِ غلامی سی رہائی — ہر بند سے بند اُس کا جدا ہو کے رہے گا

آجائے گا اک کلمۂ حق جس کی زباں پہ — خنجر کے تلے اُس کا گلا ہو کے رہے گا

کچھ بھی ہو مگر یہ تو یقینی ہی کہ اب ہند
اغیار کے پنجے سے رہا ہو کے رہے گا۔

"جیل کی دنیا"

مجھے یہ حکم ملا ہے بصیغۂ وارنٹ
کہ سال بھر کے لئے جیل کی ہوا کھا آؤ

ہنسی خوشی سے رہو کال کوٹھری میں بند
مزے سے مونچھ ہٹو، دل لگا کے مٹپٹ چلاؤ

دیا گیا ہے مجھے وارڈر کے انڈر میں
کہ اس کا حکم نہ مانو تو اس کے ڈنڈے کھاؤ

کبھی ہے ہتھکڑی میرے لئے کبھی بیڑی
کبھی ہیں ہاتھ میں زخم اور کبھی ہیں پاؤں میں گھاؤ

عطا ہوئے ہیں وہ کپڑے مجھے بقدر ضرور
کبھی جو ان کو پہن لو تو آدمی بن جاؤ

ملا ہے کوٹ و کمّل کا مجکو جس کی جوئیں
تمام عمر بھی بینو اگر، تو بین نہ پاؤ

ہے ایک لوہے کی تسلے پہ زندگی میری
گلاس، دیگچی، لوٹا، جو چاہو اسکو بناؤ

بس ایک ٹاٹ کا کمّل ہے کائنات مری
اُسی کو اوڑھ لو، اُسی پر پڑو، اُسی کو بچھاؤ

سحر کے ناشتے میں ملتے ہیں یہاں جو چنے
کبھی تم ان کو چبا لو اگر تو بوٹ نہ کھاؤ

لذیذ جیل کی روٹی نہ کیوں ہو اس درجہ
کہاں یہ گھر میں کہ آٹے میں لا کے ریت ملاؤ

کبھی نہ کھائی ہو مینڈک کی تم نے ترکاری
تو آؤ جیل میں آ کر یہاں کا "جھبلا" [۵] کھاؤ

یہاں کی دال الکشن کا ہے کوئی پولنگ
کہ شدومد سے جہاں پر ہے کنکروں کا چناؤ

یہاں کے بھات کی لذت سے آشنا ہو کر
یقیں ہے یاد نہ آئے گا ساری عمر پلاؤ

۵ ۔ جیل میں جو ساگ دیا جاتا ہے اُسے وہاں کی اصطلاح میں "جھبلا" کہتے ہیں

غرض یہ حیل کی دنیا بھی اک عجب دنیا — کہیں جہاں میں یہ دلچسپیاں نہ یہ برتاؤ
تمہارے دل میں جو ہو ورلڈ کی وزٹ کا شوق
تو میں کہوں گا یہاں آکے کچھ دنوں رہ جاؤ

"قول و عمل"

یہ مانا کہ تم ہو بڑے حق پسند — تمہارے خیالات بھی ہیں بلند
بڑے پاک طینت بڑے راست باز — طبیعت میں حد درجہ سوز و گداز
تمہارے سب اوضاع و اطوار خوب — سب اخلاق و عادات و کردار خوب
حیا اور عصمت کی تصویر تم — وقار و شرافت کی جاگیر تم
جوان و بہادر دلیر و شجیع — ارادے تمہارے بلند و رفیع
صداقت پہ تم جان و دل سے نثار — دیانت ہمیشہ تمہارا شعار
محبت، مروّت، تواضع، کرم — غرض سارے اوصاف تم میں بہم
مصیبت میں ہر اک کے ہمدرد تم — ہر اک سخت مشکل میں پامرد تم
ہر اک آزمائش میں تم مستقل — شدائد کی برداشت میں سنگدل

وطن کی محبت کی تم کو لگن — خیالاتِ ملکی میں ہر دم مگن

فقط خوف ہو اک خدا کا تمہیں — غمِ قید و بند و بلا کیا تمہیں

مکائد سے تم ڈرنے والے نہیں — مصائب کا غم کرنے والے نہیں

رہو گے مصر حق کی تکرار پر — اگرچہ ہو تم تختۂ دار پر

مگر سب یہ دعوے ہیں بالکل ذلیل — نہ لاؤ گے جب تک تم ان پر دلیل

نہیں ہو عمل سی گر ان کا ثبوت — تو ان کی صداقت کا کیا ہو ثبوت

عمل ایک ہو قول ہوں سو ہزار
تو ہو گا اسی اک عمل کا شمار

"جیل کی لیڈری"

جیل میں آکر اگر ہے لیڈریت کی ہوس — بندہ پرور سر پہ رکھئے دوڑ کر جیلر کے بوٹ

قید خانہ میں محافظ گر کبھی تشریف لائیں — قاعدہ سے دست بستہ کیجئے اٹھکر سلوٹ

ایک ادنیٰ وارڈر کو بھی سمجھئے دیوتا — جانئے ان سب کو مائی باپ ہیں جو رنگروٹ

جیل کی ہر حکم پر کر دیجئے خم اپنا سر — ہاتھ سی گو رشتۂ غیرت ہی کیوں جائے نہ چھوٹ

عاملانِ جیل کے دل کو نہ پہنچے کوئی ٹھیس ——— ملک بھر کے شیشہ ہائے قلب کیوں جائیں نہ ٹوٹ
اسکی کوشش بھی ہے اک کارِ ضرور و فرضِ خاص ——— جس طرح سے ہو سکے ڈلوائیے آپس میں پھوٹ
کیجئے تبلیغ شیروں میں کہ بن جائیں شغال ——— لیجئے سرمایۂ عقل و متاعِ فہم لوٹ
اتحاد و امن کی بنیاد کو ڈھا دیجئے ——— یہ گھروندا کیجئے کوشش کہ جائے ٹوٹ پھوٹ
مفسدانِ ملک کی فرمائیے مدح و ثنا ——— جاں نثارانِ وطن پر کیجئے طعنوں کے شوٹ
دیکھئے جس کو مخالف کیجئے وہ جوڑ توڑ ——— جیل کا عملہ پڑے سب اِن کی بیچارے پہ ٹوٹ

یہ اگر ہے جب تو جیل آفس میں ہے قدر آپ کی
یہ نہیں تو آرزوے کیک و بسکٹ جھوٹ جھوٹ

غارت گرانِ یورپ

یا خدا دے ہم کو یورپ کے لٹیروں سے نجات ——— لوٹ ہی کر ورنہ چھوڑیں کے یہ غارت گر ہمیں
ان کی عیاری و کیادی کی پنجے سے نکال ——— پھانس رکھا ہے انہوں نے جال میں کس کر ہمیں
چھین کر ہم سے غلامی نے ہماری سب صفات ——— کر دیا ہے جانور سے بھی سوا بدتر ہمیں
وہ کمالات و ہنر ہیں اب نہ وہ خلق و ادب ——— پستیوں نے کر دیا زیرِ زمیں بکھر ہمیں

چھن گئی ہم سے وفاق و خیر و صلح و مہر و لطف
کھا گئی حرص و ہوا و رشک و بغض و شر ہمیں

فاقہ و افلاس و ناداری نزاع و قتل و جنگ
اپنا پورا کورس ہے پوری طرح از بر ہمیں

ملک میں کب تک خدایا افتراق و انشقاق
ہاں کبھی تو ایک نقطے پر اکٹھا کر ہمیں

تو نے ڈالا ہے جو پالا سخت عیاروں سے ساتھ
دولتِ فہم و فراست بھی عنایت کر ہمیں

سو رہے ہیں ہم کچھ ایسی سکر و بے حسی کی نیند
شورِ محشر بھی جگا کر تھک چکا اکثر ہمیں

متحد ہو کر اگر رہتے ہم اپنے ملک میں
فتح کر سکتے تھے ارباب ستم کیوں کر ہمیں

اب بھی کھل جائیں اگر آنکھیں تو کچھ پروا نہیں
اب بھی حاصل ہے وہی اگلا سا کرو فر ہمیں

احساس فرض

درحقیقت ہے جنہیں احساس اپنے فرض کا
سر کٹا دیتے ہیں ناموسِ وطن کے واسطے

شوق سے سہتے ہیں ہر تکلیف و رنج اس کے لیئے
رہتے ہیں آمادہ ہر درد و محن کے واسطے

ملک و ملت کے لئے ہوتے ہیں سارے ان کے کام
کچھ نہیں کرتے وہ اپنے تن بدن کے واسطے

ان کی گردن اُن کا حلقوم ان کا سر ان کا بدن
رہتے ہیں ہر وقت مشق تیغ زن کے واسطے

گولیاں کھاتے ہیں خوش ہو ہو کے سینوں پر مدام | جسم ان کے ہوتے ہیں پستول و گن کے واسطے
دامنِ قاتل میں سو جاتے ہیں میٹھی نیند وہ | غم نہیں کرتے کبھی گور و کفن کے واسطے
ہیبتِ دجال و طاغوت ان سے رہتی ہے الگ | مستعد رہتے ہیں قتلِ اہرمن کے واسطے
کرتے ہیں برداشت خوش ہو کر ہر اک حزن و ملال | ان کی پیشانی نہیں ہوتی شکن کے واسطے
خوفِ قید و بندان کو ڈگمگا سکتا نہیں | بس یہ ہتھیار رکھتے ہیں بستر اندرمن کے واسطے
جان کی بازی لگا دیتے ہیں حق کی راہ میں | پیش کر دیتے ہیں سر دار و رسن کے واسطے

کاش ہم میں بھی ہو پیدا جذبۂ مردانگی
کر سکیں کچھ ہم بھی ابنائے وطن کے واسطے

مُناجات

خدایا ہمیں علم و حکمت عطا کر | خزانے سے اپنے یہ دولت عطا کر
وہ سب خوبیاں ہم میں فرما ودیعت | کہ مشہور ہیں زیورِ آدمیت
عمل ہوں پسندیدہ و خوب اپنے | سب اطوار ہوں نیک و مرغوب اپنے
ارادوں میں ہو رفعتِ ارجمندی | عزائم میں ہو آسماں کی بلندی

ہوں اوضاع و عادات بہتر ہمارے — مزیّن ہوں اخلاق یکسر ہمارے
دلوں میں ہو پاکیزگی و صفائی — خیالات میں عصمت و پارسائی
وطن کی محبت ہو ایماں ہمارا — یہی درد ہو مونس جاں ہمارا
رہیں جان و دل سے فدا ملک پر ہم — بنیں قوم کے زخم پنہاں کے مرہم
وفا، آشتی، دوستی صلح جوئی — محبت، مروت، بھلائی، نکوئی
یہی سب ہوں اوصاف زیور ہمارے — نمونے ہوں فردوس کے گھر ہمارے
رہیں مل کے آپس میں بے رد و کد ہم — کریں باہم اک دوسرے کی مدد ہم

مصیبت میں ہر اک کے ہمدرد ہوں ہم
غرض یہ کہ انسان ہوں، مرد ہوں ہم

"اے وطن"

جب ہو دنیائے دوں مبتلائے فتن — قتل و غارت کا طوفاں ہو جب موجزن
جب ہو بدلا ہوا دوستوں کا چلن — ہو مرے دل میں تو اور تیری لگن

اے وطن، اے وطن، اے وطن اے وطن

جب ہوں مفقود یاروں میں غمخواریاں　　　برسرِ کار جب ہوں جفاکاریاں
عام ہوں جب زمانے میں غدّاریاں　　　میرے ابرو پہ ہرگز نہ آئے شکن

اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

جب اُتر آئیں سازش پہ کیتا دیاں　　　جب بجاویں بگل اپنے بربادیاں
سلب کی جائیں جب تیری آزادیاں　　　تجھ پہ کردوں فدا میں دل و جان و تن

اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

چھوڑ دے جب صداقت رہِ مستقیم　　　جب سزائے دیانت ہو نارِ جحیم
جب ہو تیری حفاظت گناہِ عظیم　　　ہوں گوارا مجھے سارے رنج و محن

اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

عام ہوں جب زمانہ میں حق پوشیاں　　　ہوش پر جب مسلط ہوں مدہوشیاں
سچ پہ غالب ہوں جب مصلحت کوشیاں　　　میرے قدموں کو لغزش نہ ہو مطلقاً

اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

صدق و جرأت کا دشمن زمانہ ہو جب　　　حریت کی سزا جیل خانہ ہو جب
تختۂ موت حق کا ٹھکانا ہو جب　　　میں بڑھوں شوق سے سوئے دار و رسن

اے وطن اے وطن اے وطن اے وطن

حبِّ وطن

وطن کی محبت ہے اصلِ آدمیت — بغیر اس کے انسان ہے بے حمیّت
وطن کی لگن جس کے دل میں نہیں ہے — وہ حنظل سے بدتر ہے گر انگبیں ہے
یہ جوہر جو فطرت سے کھو بیٹھتے ہیں — وہ آئندہ نسلوں کو رو بیٹھتے ہیں
خدا کا غضب ان پہ ہوتا ہے نازل — وہ ہو جاتے ہیں زندہ مردوں میں شامل
جنہوں نے یہ رشتہ محبت کا توڑا — تو اقبال و عظمت نے منھ ان سے موڑا
برسنے لگی روسیاہی کی لعنت — فلاکت کی لعنت، تباہی کی لعنت
گرفتار ہیں سخت ذِلّت کے اندر — ہیں کثرت کے باوصف قلت کے اندر
کبھی ہیں نحوست کے پنجے کے اندر — کبھی مُفلسی کے شکنجے کے اندر
حکومت کے جور و ستم سہہ رہے ہیں — ہر اک طرح کے رنج و غم سہہ رہے ہیں
محاصل کا بارِ گراں ہیں سروں پر — غم و درد کے آسماں ہیں سروں پر
اِدھر "آرڈی نَنس" کی ہیں بلائیں — اِدھر ٹیکس کی کالی کالی گھٹائیں
غلامی کے خوگر خوشامد کے عادی — سراپائے بے حسّی و نامرادی
نہ عزت نہ حرمت نہ کپڑا نہ روٹی — لگائے ہوئے پھر رہے ہیں لنگوٹی
بدیسی اگر ملک میں ہیں گورنر — تو تکلی ہیں جوتے پہنانے پہ نوکر

جو ہیں خس کے بنگلوں میں پڑ پیس والے
تو پنکھے ہیں اہل وطن کے حوالے
یہ ہے کس قدر شرم و افسوس کی جا
مگر اپنے ہی جہل کا ہے نتیجا
فرائض سے غفلت کی یہ سب سزا ہے
حقوقِ وطن بھولنے کا مزا ہے
سنو دوستو! جوش و ہمت دکھاؤ
اُٹھو اور اب ملک کے کام آؤ
وگرنہ یوں ہی ٹھوکریں کھاؤ گے تم
یوں ہی روو گے اور پچھتاؤ گے تم
ملے گی سزا تم کو اس خود سری کی
نہ دیکھو گے صورت کبھی بہتری کی

رہو گے یوں ہی عمر بھر جوں کے توں تم
پھرو گے سدا یوں ہی خوار و زبوں تم

شاعرِ ہندوستان سے خطاب

اے فصاحت کے دھنی اے شاعرِ ہندوستاں
اے زمینِ شعر و انشا پر ادب کے آسماں
ہے تخلص تیرا ان اوصاف کا سرمایہ دار
جن کے کندھوں پہ ہے حسن و عشق کی خدمت کا بار
ملک میں قائم فن کی شان تیری ذات سے
عام ہے جذبات میں ہیجان تیری ذات سے
عام حسن و عاشقی کی داستاں ہر ملک میں
ہو وہ بن کوئی مگر تیری زباں ہر ملک میں

نوجوانوں کو دیا ہے تو نے اوباشی کا درس — منعمانِ قوم کو رندی و عیاشی کا درس

نفرت و حرص و تملق، فطرت و کذب و دروغ — تیرے دم سے پا رہے ہیں سب زمانے میں فروغ

حق کشی و حق فروشی کا سبق دیتا ہے تو — اپنے چیلوں سے بس اک اجرت یہی لیتا ہے تو

آج ہے ضرب المثل شغلِ زیاں کاری ترا — کام ہر مجلس میں ہے دل کی عزاداری ترا

اک یہی رونا ہے جس کو عمر بھر روتا ہے تو — محوِ استعجاب ہوں کیوں چپ نہیں ہوتا ہے تو

اب ضروری ہے زمانہ کی بھی حالت کا لحاظ — فرض ہے تجھ پر رفاہِ ملک و ملت کا لحاظ

دیکھ تو کیا ہو رہا ہے ہر طرف دنیا کا رنگ — ہے نظامِ دہر کی کایا پلٹ پر عقل دنگ

اک طرف یورپ کے شوقِ جنگ و خونخواری کو دیکھ — اک طرف امریکہ کی پر ہول تیاری کو دیکھ

اڑ رہے ہیں لوگ تیرے سامنے افلاک پر — تو ہے افتادہ اسی صورت سے فرشِ خاک پر

دہر کا سارا یہ منظر ہے ترے پیشِ نظر — پھر بھی غور اصلا نہیں ہے تجھ کو ان حالات پر

وقت کہتا ہے پروں کو جرأتِ پرواز دے — تو یہ کہتا ہے کہ ساقی کو ذرا آواز دے

عقل کہتی ہے کہ قبضہ چاہئے تلوار پر — تو یہ کہتا ہے کہ آنکھیں ہوں نگاہِ یار پر

واہ کیا نازک خیالی کا ترے انداز ہے — کیا فصاحت اور بلاغت کا یہی اعجاز ہے

آج ہے اضحوکۂ عالم غزل خوانی تری — ہو چکی پانی وہ ساری آتش افشانی تری

ہو چکا ہاں ہو چکا وہ دورِ نوشا نوش ختم — ہو چکا اب وہ زمانِ بیخودی و ہوش ختم

میکدے میں مستیِ صہبا تجھے بہکا چکی
تیرے منھ سے بو شرابوں کی بہت کچھ آ چکی

مغ بچوں سی خوب تیری ہاتھا پائی ہو چکی
بدمعاشوں اور شہدوں سے لڑائی ہو چکی

شورِ ہاؤ ہو سے تیری آسماں تھرا چکا
پھر چکا آوارہ بازاروں میں ڈنڈے کھا چکا

کر چکا ساقی کی آنکھوں سے بہت راز و نیاز
رکھ چکا مستوں کی فاقہ مستیوں سے ساز باز

صوفی و زاہد کے عمامے اچھالے جا چکے
شیخ و واعظ پر بھی ڈورے خوب ڈالے جا چکے

برق تیرے آشیاں کو خاک بالکل کر چکی
بادِ صرصر تیری شمعِ آرزو گل کر چکی

رہ چکا برسوں مقید پنجۂ صیاد میں
آ چکیں صدہا بلائیں تجھ پہ تیری یاد میں

گھر چکا اکثر جگہ بے ڈھب چڑیماروں میں تو
بک چکا اک اک ٹکے کو جا کے بازاروں میں تو

تیرے پر مقراضِ بے دردی سے کترے جا چکے
تیرے بازو خوب اڑنے کی سزائیں پا چکے

اپنے دل کو اپنے پہلو سے تو اکثر کھو چکا
اپنی نادانی پر اپنی بے کسی پر رو چکا

خنجرِ ابرو سے زخمی تیرا پہلو ہو چکا
تیرِ مژگاں تیرے سینے میں ترازو ہو چکا

غمزہ و عشوہ کے ہاتھوں رہ چکا تو سینہ چاک
ناز و انداز و ادا سے ہو چکا اکثر ہلاک

اک نگاہِ قہر سے سو مرتبہ تو مر چکا
اک تبسم تجھ کو کتنی بار زندہ کر چکا

کر چکے برسوں لبِ معجز مسیحائی تری
آنکھ کے جادو سے اکثر بندھ چکی سائی تری

زلف کی سرکار سے دی جا چکی پھانسی تجھے
اک خدائی سل میں برسوں آ چکی کھانسی تجھے

ہجر کے آزار میں تو زار و لاغر ہو چکا
ضعف و اضمحلالِ غم سے تار بستر ہو چکا

رو چکے تجھ کو عزیز احباب میں غم ہو چکا
مہ جبینوں میں ترے مرنے کا ماتم ہو چکا

لاش تیری مدتیں گذریں زمیں میں گڑ چکی
قبر تیری ہو چکی پامال مٹی پڑ چکی

ایک دو کیا سینکڑوں بار آ چکے منکر نکیر
ہو چکا برپا ہزاروں بار حشر دار و گیر

جنگلوں کی خاک اچھی طرح تو نے چھان لی
کوہ و صحرا و بیاباں کی حقیقت جان لی

دشت کے کانٹے ترے تلووں کو چھلنی کر چکے
پاؤں تیرے ہو کے زخمی آبلوں سے بھر چکے

چاک دامن مل چکا چاک گریباں سے ترا
ہو چکا قائم کشمکش طوق و زنداں سے ترا

دھجیاں ہو کر ترے کپڑے تبرک ہو چکے
طوق اور زنجیر سب تیرے لئے تاب ہو چکے

کر چکا تو کوہ کن کو مات پتھر پھوڑ کر
توڑ ڈالے سب رگ کر ڈ آخر سر اپنا توڑ کر

رہ چکی تجھ سے گریزاں دانش و فرزانگی
بن چکی تیری مقرب وحشت و دیوانگی

پتھروں کو تو عبودیت کے سجدے کر چکا
ناتراشیدہ بتوں کے پاؤں سر پر دھر چکا

بتکدے میں رہ چکا محو رکوع و اعتکاف
بک چکا پیشِ برہمن تو ہر اک لاف و گزاف

رہ چکی خاک حرم کے ساتھ بے باکی تری
کھل چکی شیخ حرم پر بھی خطرناکی تری

قشقۂ خوش رنگ ماتھے پر سنبھالا جا چکا
جبّہ و دستار پر بھی رنگ ڈالا جا چکا

بن کے موسیٰ پھر چکا ہر وادیِ پرخار میں
مثلِ یوسف تیرا سودا ہو چکا بازار میں

چشمِ تر تجکو فضیلت دے چکی یعقوب پر
صبر تیرا فوق تجکو دے چکا ایوب پر

دار کی آغوش میں منصور بن کر سو چکا
صورتِ سرمد گلی کوچوں میں رسوا ہو چکا

یہ تکلّف یہ تصنع اور یہ رنگ آمیزیاں
ہیں فقط تیری زبانِ کلک ہی کی تیزیاں

ورنہ اصلیت کا اس بیہودگی میں کیا پتا
میں غلط کہتا ہوں تو کچھ تو ہی مجکو سچ بتا

فطرت اس بےحسی و غفلت کی شکوہ سنج ہے
سُن کہ تجکو مقتضائے وقت کا چیلنج ہے

اب نئے سامان پیدا کر تو اپنے واسطے
دوسرا میدان پیدا کر تو اپنے واسطے

زنگ خوردہ ہو چکے تیرے تمام اوزار اب
تیر و نشتر سب یہ تیرے ہو چکے بیکار اب

اب نہیں ان کی ضرورت ملک و ملت کے لیئے
قوم اب ہرگز نہیں تیار ذلت کے لیئے

بُلبل و گل کا اب افسانہ پرانا ہو چکا
واہ و فریاد کو گذرے زمانا ہو چکا

ہجر و فرقت کی بس اب خدمت گزاری ختم کر
اب یہ آہ و نالہ و فریاد و زاری ختم کر

حسن پر تیری یہ ساری شاعری بیکار ہے
کیا تو کوئی مصر کی منڈی کا ٹھیکہ دار ہے

رو رہا ہے تو جو قیس و کوہکن کے واسطے
کاش چند آنسو بہا سکتا وطن کے واسطے

عشق کے جس غم سے دل تیرا ہے گرمایا ہوا
کاش ہوتا وہ غمِ حُبِّ وطن کھایا ہوا

تیرے اس سینے میں جس سے ہے گلستاں کی بہار
کاش اس میں ہو وطن کے سنبلستاں کی بہار

تیری وہ آنکھیں جو خونِ دل کی ہیں سرمایہ دار
کاش ہوتیں خستہ حالیِ وطن پر اشکبار

ہاتھ اُٹھتا ہی جو تیرا دل کے ماتم کے لیئے — کاش اُٹھتا نیزہ و شمشیر و پرچم کے لیئے
تیرے وہ نالے جو ہیں شب ہائے فرقت کے لئے — کیا ہی اچھا ہو اگر ہوں ملک و ملت کے لیئے
تیرا وہ سینہ جو سوزِ عشق سے ہے داغ داغ — کاش اس میں جل اُٹھیں درد اخوت کے چراغ
تیرا وہ سر خبط ہے جس کو خطاب و جاہ کا — کاش سودائی بنے ملک و وطن کی چاہ کا
قوم کو آمادہ کر حسنِ عمل کے واسطے — دے تو ان پودوں کو پانی پھول و پھل کے واسطے

تو اگر چاہے تو دے اس ملک کی دنیا پلٹ
اک اشارے میں ترے ہو جائے سب کایا پلٹ

"قومی فساد"

تاڑی خانے کے دو لفنگوں میں — وقتِ مستی و قدح خواری
ہو گئی جنگ زرگری برپا — ایک نے ایک کے چپت ماری
ہو گئے چند شخص ایک طرف — کچھ نے کی ایک کی طرفداری
شور و غل کی صدا بلند ہوئی — ہو گئے جمع چند بازاری
تو تو میں میں بڑھی تو آخر کار — گھر کے مخلوق آ گئی ساری

کی جو تحقیق یہ ہوا معلوم — ایک ناجی ہے ان میں اک ناری
کفر و اسلام میں ہے آویزش — حق و باطل میں ہے سناں باری
دینِ حق گھر گیا ہے نزعہ میں — فرض ہے اہلِ حق کی غمخواری
دھرم رکھشک بھی سنگٹھت ہو کر — لیکے بھالا، کٹار اور آری
دیش سیوا کے واسطے نکلے — کرکے پربندھ یدھ کا بھاری
تیر و تیغ و خشت و شیشہ و سنگ — قتل و خونریزی و جفا کاری
شعلہ و نار و غارت و تاراج — آہ و فریاد و نالہ و زاری
قصہ کوتاہ خوب خوب ہوئی — دونوں جانب سے مشق خونخواری
اُف وہ ناپاک و زشت ہنگامہ — الاماں قہرِ ایزد باری
ہوگئی ختم رسم و راہ وفا — اُٹھ گیا ربط و ضبط غمخواری
نہ محبت رہی نہ حسنِ سلوک — نہ رہی دل دہی نہ دل داری
مہر و صلح و صلاح کی باتیں — دفعتہً ختم ہوگئیں ساری
پٹ گئے مرگھٹ اور قبرستان — ہوئی لاشوں کی بے طرح خواری
سیکڑوں سڑ گئیں مکانوں میں — موریوں میں ملیں بدشواری
ہوگئی تنگ زخمیوں کے لئے — اسپتالوں کی چار دیواری

زندہ جو بچ گئے مقدر سے — ہوئے قیدِ بلا و ناچاری
ناکہ بندی، پولیس، پہرہ، فوج — ہتکڑی، بیڑیاں گرفتاری،
شبہے، خانہ تلاشیاں، وارنٹ — زحمتیں، ذلتیں، بگوں ساری
پاسِ ناموس دردِ رنجِ فاقہ و فقر — دردو فریاد و کرب و بیماری
بھر گئے جیل بے قصوروں سے — پھر رہی ہیں شرافتیں ماری
ہو گئے در مُقدمات کے باز — کارفرما ہے عدل سرکاری
لگ رہی ہے روپے میں ظلم کی آگ — رشوتوں کی ہے گرم بازاری
جس نے کچھ ہندوؤں کا ساتھ دیا — اُس نے کی دینِ حق سے غداری
کی مسلماں سے جس نے ہمدردی — بن گیا صاف اتیاچاری
رہے برسوں صفائی اور ثبوت — بھر گئی کاغذوں سے الماری
فیصلہ، پھر اپیل، پھر فرمان — گئیں ختم منزلیں ساری
تختۂ دار سے جو بچ نکلا — اسنے کی انڈمن کی تیاری
جو بری ہو گیا مقدر سے — آ گئی اُس کی بھیک کی باری
شہر تھا جو نشاط و عیش کا گھر — اب ہے گھر گھر وہاں عزاداری
تھا جہاں رعب و داب حسن و جمال — اب ہے واں بے کسی و بے یاری

ہر طرف ہے فلاکت و ادبار　　عام ہے مفلسی و بیکاری

واہ قومی فساد کیا کہنا

یہی بیشک ہے شانِ خودداری

(۵)

ضرورتِ اتحاد

یا خدا ہند پر کرم فرما　　اسکی تکلیف کا تعدم فرما

ہیں پریشاں بہت جو اس اس کے　　نہیں ہمدرد کوئی پاس اس کے

فقر و فاقہ سے پائمال ہوا اب　　قرض میں اس کا بال بال ہوا اب

نہ ہے صنعت نہ اب تجارت ہے　　ساری آسودگی وہ غارت ہے

علم و فن سے ہوا اس کا گھر خالی　　عقل و ادراک سے ہے سر خالی

اچھے اطوار مٹ گئے اس کے　　نیک کردار مٹ گئے اس کے

خلق ہوا اب نہ مہر و الفت ہے　　آشتی ہو نہ صلح و رغبت ہے

رنگ بالکل ہو ملک کا بدلا　　سارا پانی ہے چاہ کا گدلا

ہر طرف جہل ہو لڑائی ہے　　دشمن آپس میں بھائی بھائی ہو

نہ محبت ہے اب نہ ہمدردی نہ دلیری نہ اب جواں مردی
نہ روا داری و شرافت ہے نہ اب امن و امان و راحت ہے
ہر طرف ہے فساد و ہنگامہ کوئی رستم ہے اور کوئی گاما
اب کہاں صلح و خیر کی باتیں جب ہیں کانوں میں غیر کی باتیں
جان بل کی ہیں سازشیں جاری ملک پر ہیں نوازشیں جاری
ایک سے ہی کبھی شناسائی دوسرے کے لئے کبھی سائی
کبھی ان کو لڑا دیا سب سے کبھی اُن کو بھڑا دیا سب سے
کبھی ان کو پولیس دستانہ ہے اور کبھی ان کو جیل خانہ ہے
یہی منظر یہاں ہے شام و سحر بس یہی ہو رہا ہے آٹھ پہر
جانتا ہے ہر اک یہ سب باتیں پھر بھی خالی نہیں ہوا لاتیں
وہی جنگ و جدل وہی جھگڑے وہی بغض و عناد کے رگڑے
یا خدا دے ہمیں وہ عقل سلیم کہ سمجھ ہم سکیں ہر اک اسکیم
پڑ سکے پھر نہ کوئی زد ہم پر کھل سکیں سارے نیک و بد ہم پر
ختم کر دیں یہ تفرقہ سازی آگ میں جھونک دیں تبر بازی
مل کے خدمت کریں وطن کی سب کریں آراستگی چمن کی سب

حکمت و فن وطن میں پھیلائیں | شاہراہیں عمل کی کھل جائیں
علم و سائنس ملک میں بھر دیں | اس زمیں کو ہم آسماں کر دیں
ہم پہ کھل جائیں سب عقل کے راز | ہیں جو یورپ کے طرۂ اعزاز
صنعتوں کی ہو گرم بازاری | گاؤں گاؤں میں ہوں ملیں جاری
ریل، موٹر، جہاز، طیارے | خود یہ تیار ہم کریں سارے
کبھی صحرا ہو مستقر اپنا | کبھی ہو ٹاپوؤں میں گھر اپنا
مانچسٹر پہ خاک ڈالیں ہم | گھر سے جاپان کو نکالیں ہم
نہ رہیں ہم کسی کے بھی محتاج | ملک اپنا ہو اور اپنا راج

ہم میں گر اتحاد ہو جائے
ملک آباد و شاد ہو جائے

عہد فرنگ

ہم نشیں اس کی تفاصیل میں ہے طول بہت | برکتیں اپنے میں رکھتا ہے جو کچھ عہد فرنگ
خیر سے ایک صدی بھی نہیں گزری اب تک | مل گیا خاک میں سب ملک کے اقبال کا رنگ

اب نہ دولت کے وہ چشمے ہیں نہ سطوت کے نشان
ہر طرف قحط ہی ہر سمت ہے افلاس سے جنگ

اب وہ مردانگی و عزم نہ وہ جوش و خروش
نہ وہ ہمت نہ شجاعت نہ وہ جرأت نہ امنگ

نہ ارادوں میں بلندی نہ خیالات وسیع
سگ و روباہ ہیں اب تھے جو کبھی شیر و پلنگ

نہ وہ پہلی سی محبت نہ وہ اگلا سا خلوص
نہ برہمن میں وہ انداز، نہ وہ شیخ میں ڈھنگ

کیا رواداری و ہمدردی و اخلاق کا ذکر
دیکھئے جس کو نظر آتا ہے گویا وہ نہنگ

عید آتی ہے تو لاتی ہے قیامت سر پر
ہولی آتی ہے تو برساتی ہوئی خشت اور سنگ

نہ دسہرے میں وہ رونق نہ محرم میں وہ شان
برچھیاں سینوں میں پنہاں ہیں نگاہوں میں خدنگ

ایک ہنگامۂ محشر ہی بپا چار طرف
گرم ہے معرکۂ دشنہ و شمشیر و تفنگ
ہیں جڑیں فتنہ و تفریق کی اتنی مضبوط
کوئی کھودے تو وہ پاتال میں دی جائے سرنگ

وادیٔ صلح کا طے ہونا ہے اک امر محال
اہل تدبیر کے بھی پاؤں ہیں اس راہ میں لنگ

مٹ گئے آشتی و امن و اماں کے نقشے
کھا گیا شیشۂ دل کو حسد و بغض کا زنگ

ہر طرف پھیلی ہے بے غیرتی و بے شرمی
پھر رہی ہے نئے فیشن کی دلہن ننگ دھڑنگ

پائی ڈھیل اسقدر آزادی و خود رائی نے
کٹ گئی غیرت و ناموس و حمیت کی پتنگ

اب ہیں بے باکی و عریانی کے معنی نیچر
دورِ تہذیب نے بالکل ہی بدل دی فرہنگ

اب نہ آنکھوں میں حیا ہے نہ دلوں میں احساس
ڈال دی ہے دل و دیدہ نے عجب رنگ میں بھنگ

اک طرف فقر و فلاکت کے ہیں اژدر سر پر
اک طرف کھولے ہیں منہ جورِ حکومت کے نہنگ

آج دنیا میں نہیں کوئی بجز یاس اپنا
ہمدم و ہم نفس و ہم قدم و ہم آہنگ

یا یہ حالت تھی کہ دنیا میں کوئی ملک نہ تھا
صنعت و حرفت و ایجاد میں اپنا پاسنگ

یا یہ عالم ہے کہ جاپان اگر رحم نہ کھائے
اپنی میت کو کفن کے بھی ہے ملنے میں درنگ

اب وہاں نوحۂ ماتم ہے کہ آوازِ فغاں
گوش پرور تھے جہاں ساز و دف و نغمۂ چنگ

فاقہ مستی نے کچھ اس درجہ کیا نشہ ہرن
نہ رہا تاک میں وہ کیف نہ مے میں وہ ترنگ

کھا گیا سحرِ تفکر میں ادب بھی غوطہ
فاقہ و گرسنگی نے کیا وہ قافیہ تنگ

یا یہ نقشہ تھا کہ تھا روئے زمیں پہ زنہار
نہ تو اپنا سا جری اور نہ اپنا سا دبنگ

یا یہ صورت ہے کہ اغیار تو ہیں پھر اغیار
آپ ہم اپنی نگاہوں میں بھی ہیں محوِ جنگ

بڑھتی ہی جا رہی ہیں ابتریاں روز بروز
چرخ کی تفرقہ سازی کے ہیں کیا کیا نیرنگ

اسقدر پستی و ادبار کے ہوتے ہوئے بھی
مخلصی کے نظر آتے نہیں ہم کو کوئی ڈھنگ

پھر بھی احساس نہیں ہے ہمیں اسکا افسوس
یاد رکھو کہ یہ چھلے ہیں نقوش ارژنگ

سر کھجانے کی بھی اک دن نہ اجازت ہوگی
ہیں مسلط جو سروں پر یوں ہی برکاتِ فرنگ

اتحادِ وطن

اسی کے دم سے ہے وابستہ ہر مفاد   یہی ہے باعثِ قطع رہِ مرادِ وطن
اسی کے تابع فرمان ہے روئیدادِ وطن   یہی ہے صرف یہی وجہ اعتمادِ وطن

عجیب چیز ہے دنیا میں اتحادِ وطن

یہ ڈھب سکھاتا ہے ایثار اور دیانت کے   یہ گُر بتاتا ہے ہمدردی و اخوت کے
اسے ہیں یاد طریقے تمام حکمت کے   یہ جانتا ہے سبھی پیچ و خم سیاست کے

عجیب چیز ہے دنیا میں اتحادِ وطن

پناہ مانگتی ہیں فاقہ مستیاں اس سے   ہمیشہ کانپتی ہیں خود پرستیاں اس سے
عروج پاتی ہیں عالم میں ہستیاں اس سے   سدا ہیں لرزہ بر اندام پستیاں اس سے

عجیب چیز ہے دنیا میں اتحادِ وطن

اسی کی جیب میں ہیں کنجیاں خزانوں کی   اسی کے پاس ہے کل سارے کارخانوں کی
اسی کے بس میں ہے کایا پلٹ زمانوں کی   اسی کے ہاتھ میں قسمت ہے نوجوانوں کی

عجیب چیز ہے دنیا میں اتحادِ وطن

بخار و برق پہ ہے یہ اختیار قوموں کا   زمیں سے تا بہ فلک اقتدار قوموں کا

یہ عزو شان یہ جاہ و وقار قوموں کا
بس اتحاد پہ ہے انحصار قوموں کا
عجیب چیز ہے دنیا میں اتحادِ وطن

جو چاہتے ہو کہ ہو ملک میں موقر تم
تو ایک ہو کے رہو اب وطن کے اندر تم
نکال دو ابھی دشمن کو گھر سے باہر تم
کرو ذراسی کوشش بہم جو مل کر تم
عجیب چیز ہے دنیا میں اتحادِ وطن

"مجبورِ ضبط"

مجبورِ ضبط جس دم آہ و فغاں کریں گے
زیر و زبر تجھے بھی اے آسماں کریں گے
ہم ہر طرح کی تجھ پر قربانیاں کریں گے
آزاد تجھکو لیکن ہندوستاں کریں گے
کب تک ستم سہیں گے یوں چرخِ فتنہ گر کر
کب تک ہم اس طرح سے ضبطِ فغاں کریں گے
منظور ہے خدا کو تو اہلِ ہند اک دن
عالم میں حریت کا سکہ رواں کریں گے
جب ہو گیا تسلط گنگ و جمن پہ اپنا
پھر علم مشرقی کی نہریں رواں کریں گے
ہاں امتحانِ الفت آساں نہیں ہے اے دل
جو ان سے ہو سکیں گی وہ سختیاں کریں گے
گر بس چلا تو اک دن صیاد اور گل چیں
اے عندلیب تجھ کو بے خانماں کریں گے

بدترین ذہن و دماغ

ابھی ہیں ملک میں ایسے ہزار ذہن و دماغ　　جنھیں وطن کی تباہی کا کچھ ملال نہیں
تغیراتِ جہاں ہیں سب ان کے پیشِ نظر　　مگر روش میں ذرا سا بھی اعتدال نہیں

ابھی ہیں ایسے بہت اہلِ حرص و اہلِ طمع　　کہ جن کے پیشِ نظر مال ہے مآل نہیں
جنھیں مصالحِ ذاتی کی دھن ہے آٹھ پہر　　مفادِ قوم کا کچھ جن کے ہاں سوال نہیں

ابھی ملیں گے بہت ایسے خوش عقیدہ بزرگ　　ہے جزو دین وظیفہ جنھیں غلامی کا
جنھیں ہے قبلۂ مقصود سایۂ انگریز　　طوافِ کعبہ ہے جن کو طوافِ ٹامی کا

ابھی ملیں گے ہزاروں ہی ایسے بے غیرت　　جنھیں نہیں کوئی احساس اپنی خامی کا
مگن ہیں ذلتِ ادبار و فقر و نکبت میں　　مجسمہ ہیں غرض لعنتِ دوامی کا

یہی وجود ہیں قائم ہیں پستیاں جن سے　　ہیں دفن زیرِ زمیں حق پرستیاں جن سے

"مستقبل"

آنے والا ہے بہت جلد ایک ایسا عہد بھی
دہر کے حالاتِ موجودہ فنا ہو جائیں گے

اور ہی ہو جائیں گے کچھ یہ زمین و آسماں
اور ہی کچھ روز و شب صبح و مسا ہو جائیں گے

منقلب ہو جائے گا بالکل نظامِ کائنات
چاند بے نور اور تارے بے ضیا ہو جائیں گے

رفعتوں پر ہر طرف چھا جائے گا ضعف و جمود
عرش والے مائلِ تحت الثریٰ ہو جائیں گے

پستیاں کر لیں گی طے سارے مقاماتِ فراز
خاک کے ذرّے ثریا تک رسا ہو جائیں گے

عظمت و ذلّت کا سارا امتیاز اُٹھ جائے گا
ایک منزل میں شہنشاہ و گدا ہو جائیں گے

خاک میں مل جائے گا سرمایہ داروں کا غُرور
اہلِ نخوت راہیِ ملکِ فنا ہو جائیں گے

فقر و فاقہ کی جگہ لے لیں گے اطمینان و عیش
مُفلس و مزدور آزاد و بلا ہو جائیں گے

صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا نامِ ظلم و جبر
اہلِ استبداد سب بے دست و پا ہو جائیں گے

حاکم و محکوم میں باقی نہ ہوگا کوئی فرق
ایک اہلِ تخت و اہلِ بوریا ہو جائیں گے

منہدم ہو جائے گی دیوارِ زنداں خود بخود
اہلِ زنداں قیدِ محنت سے رہا ہو جائیں گے

ٹوٹ جائیں گی قفس کی تیلیاں اِک آن میں
چہچہوں سے بوستاں رنگیں نوا ہو جائیں گے

فسانۂ عبرت

تعجب میں ہوں دیکھ کر رنگ عالم — الٰہی یہ کیا آ گیا ہے زمانا
نہ پہلی سی وہ مہر و الفت کی باتیں — نہ اگلا سا چاہت کا وہ کارخانا
جدھر دیکھئے بس تعصب جہالت — جہاں جائیے صرف لڑنا لڑانا
جو تعلیم دیتا ہے جنگ و جدل کی — وہ ہے انتہائی خردمند دانا
جو تلقین کرتا ہے صلح و صفا کی — وہ ہے تیر زجر و جفا کا نشانا
نہ معلوم کب یہ جہالت ہٹے گی — کب آئے گا عیش و خوشی کا زمانا
ملیں گے گلے کب ہم ملک والے — بجائے گا اقبال کب شادیانا
بس اب چھوڑ دو یہ ضدیں ہند یارو — جہاں میں ہے مشکل تمہارا ٹھکانا
رہو گے یوں ہی پائمالِ جفا تم — رہیگا یہی روز رونا رُلانا
نتیجہ یہ ہوگا کہ بن جاؤ گے تم — فنا ہو کے اک عبرتوں کا فسانا

یہ سب برکتیں اہلِ انگلینڈ کی ہیں
کرو جلد انھیں اب یہاں سے روانا

آزاد ہو کر

کرے کیوں نہ انگلینڈ کتنی ہی کوشش ۔۔۔ رہے گا مگر ہند آزاد ہو کر
ہمیں چاہتے ہیں جو برباد کرنا ۔۔۔ رہیں گے خود اک روز برباد ہو کر
وہ پائیں گے جلد اپنی نخوت کا بدلا ۔۔۔ جو رہتے ہیں فرعون و شدّاد ہو کر
یقیناً ہمارا وطن اِک نہ اِک دن ۔۔۔ رہے گا مصیبت سے آزاد ہو کر
ملے گا ہمیں سرفروشی کا بدلا ۔۔۔ رہیں گے ہم آسودہ و شاد ہو کر
خدا کے لیے زورِ بازو دکھا دو ۔۔۔ رہو اب نہ محکومِ صیّاد ہو کر
کرو غم نہ کچھ اپنی بربادیوں کا ۔۔۔ کہ آخر رہو گے تم آباد ہو کر

کبھی شاد بھی ہوں گے فضلِ خدا سے
ابھی جی رہے ہیں جو ناشاد ہو کر

انقلابِ دہر

یہ انقلاب بھی ہے زمانے کا دیدنی ۔۔۔ جو شیر تھے کبھی وہ ہیں روباہ آج کل

سارا نظامِ دہر گیا ہے اُلٹ پلٹ
جو کوہ منزلت تھے وہ ہیں کاہ آج کل

غدّارِ قوم و مُلک کبھی جن کا تھا لقب
قوم و وطن کے ہیں وہ بہی خواہ آج کل

تھا جن پہ اعتماد کبھی ملک و قوم کو
خُفیہ میں پا رہے ہیں وہ تنخواہ آج کل

شیوہ تھا جن کا حق کشی و حق فرامشی
سب ہیں وہ حق شعار و حق آگاہ آج کل

قزّاق و راہ زن کے جو درجے میں تھے کبھی
ہیں رہبروں کے ساتھ سرِ راہ آج کل

جو واقعی ہیں مخلص و ہمدرد اہلِ دل
ملتی نہیں وطن میں اُنھیں راہ آج کل

حیرت میں ہوں میں رنگ زمانے کا دیکھ کر
کیا حال ہو رہا ہے یہ اللہ! آج کل

"بڑھے چلو"

اُٹھو اُٹھو اُٹھو کمر کسو! کمر کسو!
سحر سے پہلے چل پڑو کڑی ہے راہ دوستو!
تھکن کا نام بھی نہ لو
بڑھے چلو! بڑھے چلو!

جھجھک نہ دل میں لاؤ تم بس اب قدم اٹھاؤ تم
ذرا نہ ڈگ مگاؤ تم خدا سے لَو لگاؤ تم

ملول و مضطرب نہ ہو

بڑھے چلو! بڑھے چلو!

اُٹھا دیا قدم اگر تو ختم ہے بس اب سفر
ہے راہ صاف و بے خطر نہ کوئی خوف ہے نہ ڈر

چلو چلو! بڑھو بڑھو!

بڑھے چلو! بڑھے چلو!

تمہارے ہم سفر جو تھے وہ منزلوں پہ جا لگے
سب آگے تم سے بڑھ گئے مگر ہو تم پڑے ہوئے

ذرا سمجھ سے کام لو،

بڑھے چلو! بڑھے چلو!

دلوں میں ہی جو ولولے تو ڈال دو گے زلزلے
رہے بلند حوصلے وہ سامنے ہے مرحلے

وہیں پہنچ کے سانس لو

بڑھے چلو! بڑھے چلو!

"چھوڑ دو"

دوستو اب بھی خدارا ضد سے باز آجاؤ تم
یہ تکبر، یہ تعصب، یہ جہالت، چھوڑ دو
عقل سے لو کام، دیکھو غور سے دنیا کا رنگ
ہوش میں آؤ یہ مدہوشی و غفلت چھوڑ دو
تم کو رہنا ہے جو اپنے ملک میں عزت کے ساتھ
ایک ہو جاؤ یہ آپس کی رقابت چھوڑ دو
چاہتے ہو تم اگر آزادیٔ ہندوستاں۔
یہ قتال و جنگ و خوں ریزی کی عادت چھوڑ دو
سبحہ و زنّار کی آویزشیں کر دو یہ ختم
یہ فساد و فتنہ و بغض و خصومت چھوڑ دو
شائبہ بھی تم میں غیرت کا اگر ہے دوستو!
چھوڑ دو انگلینڈ والوں سے محبت چھوڑ دو
تم کو انگریز اپنے پنجے سے نہ چھوڑے گا کبھی

کچھ حمیت ہے تو تم اس کی حمایت چھوڑ دو
تم کو آزادی میسّر ہو نہیں سکتی کبھی
ہاں اگر برٹش حکومت کی رفاقت چھوڑ دو
کر کے مصنوعاتِ انگریزی کا بالکل بائیکاٹ
اس کو بے تاب و توان، بے تاب و طاقت چھوڑ دو
ایک دن میں غاصبوں سے ملک ہو سکتا ہے پاک
مُتّحد ہو کر جو تم ان کی اطاعت چھوڑ دو
ٹھوکریں کھائی ہیں تو چاٹا کرو صاحب کے بوٹ
خواہشِ عزّت ہے تو ان کی حمایت چھوڑ دو

انگریزی ذہن کی تیزی

کس طرح بپا ہوں ہنگامے، آپس میں ہو کیوں کر خوں ریزی
ہے ختم انھیں اسکیموں میں، انگریزی ذہن کی سب تیزی
یہ قتل و خون یہ جنگ و جدل، یہ جور و ستم یہ بُغض و حسد

باقی ہی رہیں گے مُلک میں سب، باقی ہے اگر راج انگریزی
گلزارِ وطن اک بنجر ہے، یا خاک ہے اب یا صرصر ہے
کیا پھول یہاں اور کیسے پھل، کیا شادابی کیا زرخیزی
ہر سو ہے بپا ہنگامۂ خوں، ہر سمت ہے ڈھیر اک لاشوں کا
اڈوائر وڈائر کے دم سے قائم ہے نشانِ چنگیزی
شدھی ہے کہیں تبلیغ کہیں، ناقوس کہیں تکبیر کہیں
یہ تیج نہ ہوں تو مشکل ہے، دم بھر کے لیئے راج انگریزی

احساسِ غیرت

ہم کسی خوف میں ہرگز نہیں آنے والے — کہہ دو اب ہم کو ڈرائیں نہ ڈرانے والے
ہم میں خودداری و غیرت کی کمی تھی جب تک — ڈھا چکے ہم پہ ستم خوب سے ڈھانے والے
مٹ لئے ہم میں نہ تھا جب تک احساس اس کا — اب ذرا ہوش کی لیں ہم کو مٹانے والے
ہو گئی ہم کو اب اپنی غلطی پر تنبیہ — اب ہم اغیار کے دم میں نہیں آنے والے
ہم کو ذلت جو دیا کرتے ہیں خود ہو گئے ذلیل — وہ بھی دن جلد مُقدّر سے ہیں آنے والے

لیں گے جلدان سے ہم اس جور و جفا کا بدلا　　دل میں خوش ہوں نہ بہت ہم کو ستانے والے
مل گئی ہند کو برٹش کی غلامی سے نجات
کاش یہ مژدہ سنیں جلد زمانے والے

"صلۂ خدمت"

اے خادمانِ ملک تعجب کی جا نہیں　　تم پر ستم کے ہاتھ جو گھالے گئے تو کیا
اہلِ نظر کو پھول سے بڑھ کر ہے ہر خلش　　کانٹے تمہاری راہ میں ڈالے گئے تو کیا
عزت یہی ہے بزم میں اہلِ نیاز کی　　بے عزتی سے تم جو نکالے گئے تو کیا
گردن ہے اہلِ حق کی اسی کام کے لئے　　پھندے تمہارے حلق میں ڈالے گئے تو کیا
اہلِ خلوص و صدق کا اعزاز ہے یہی　　جوتے تمہارے سر پہ اچھالے گئے تو کیا
ہر خادمِ وطن کو ملا ہے فقط یہی -
خدمت کا ابتدا میں صلہ ہے فقط یہی

"قسم"

کبھی چلتے نہیں ہم تھرڈ میں جز فرسٹ و سکنڈ — لیڈرِ قوم کے ایثار و دیانت کی قسم

کبھی رہتے نہیں شیری و برانڈی کے بغیر — ملک کے نکبت و ادبار و فلاکت کی قسم

کبھی کھاتے نہیں کچھ مرغ و مزعفر کے سوا — شکمِ حضرتِ واعظ کی یبوست کی قسم

ہوٹل و کار پہ ہے خدمتِ ملت کا مدار — قومِ نادار کی بیکاری و عسرت کی قسم

ہم کو غداریِ ملت سے سروکار نہیں — اپنے ایمانِ گراں مایہ کی قیمت کی قسم

رات دن پیشِ نظر اپنے ہے پبلک کا مفاد — خلعت و نقد و عطیاتِ حکومت کی قسم

ملک پر سایۂ انگریز ہے ظلِ رحمت — آرڈی نینس کے دامانِ حمایت کی قسم

متحد ہو نہیں سکتے کبھی احبابِ وطن — جان ٹل صاحب و قبلہ کی عنایت کی قسم

تفرقے ہند کے ہو سکتے نہیں ختم کبھی — شدھی و سنگٹھن و قلت و کثرت کی قسم

ہند تا حشر کبھی ہو نہیں سکتا آزاد — اہلِ انگلینڈ کے اقبالِ سیاست کی قسم

ہر طرف جنگ ہے ہر سمت ہے خوں ریزی و قتل
کھائیے کیوں نہ پھر انگریز کی قسمت کی قسم

جاگو اور جگاؤ

جوش و عمل دکھلاؤ سب کو　　غفلت سے چونکاؤ سب کو
اُٹھو اور اٹھاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

وقت گیا خوابِ راحت کا　　وقت ہے اب عزم و ہمت کا
بس اب ہوش میں لاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

شرقی، غربی گورے کالے　　جاگ اُٹھے سب سونے والے
تم بھی اب چونکاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

دہر میں ہے بیداری ہر سو　　ملک میں ہے تیاری ہر سو
تم بھی جوش دلاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

قوم کی خدمت فرض ہے تم پر　　ملک کا یہ اک قرض ہے تم پر

گر خدمت کے بتاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

آپس کے جھگڑے طے کر دو　　پریم اور پریت دلوں میں بھر دو
باہم گلے ملاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

شیخ کی ہے نہ مغل کی پرسش　　اب ہے صرف عمل کی پرسش
کچھ کر کے دکھلاؤ سب کو
جاگو اور جگاؤ سب کو

وطن کی بھلائی

جہالت ہی میں عمر اپنی گنوائی　　ہمیں عقل افسوس اصلا نہ آئی
نہ دیکھی کبھی ہم نے دنیا کی حالت　　نہ سوچا کدھر جا رہی ہے خدائی
زمانے میں ہے دور امن و سکوں کا　　مگر ہم نے لڑنے سے فرصت نہ پائی
وہی جنگ و خوں ریزی و بغض و کینہ　　وہی سر پھٹول وہی ہاتھا پائی

کبھی مندروں پر ہیں بے وجہ دھاوے　　کبھی مسجدوں پر ہے ناحق چڑھائی

دسہری میں ہے ہر جگہ اک تصادم　　محرم میں ہے ہر قدم پر لڑائی

یہ جو کچھ بھی ہے کس لئے ہو رہا ہے　　کبھی غور کی اس کی نوبت نہ آئی

سب انگریز کی شعبدہ بازیاں ہیں　　یہ اسکیم ہے سب اُسی کی بنائی

جو لڑ کر نہ ہم توڑ دیں اپنی قوت　　تو ہو ملک میں کیونکر اس کی سمائی

اسی کی یہ در پردہ سب ٹکریں ہیں　　کسی کو ہے سائی کسی کو بدھائی

کبھی شہ کسی کو، کبھی شہ کسی کو　　جو اس سے لگائی تو اس سے بجھائی

یہ جب تک مسلط ہے ہندوستاں پر　　غلامی سے مشکل ہے اپنی رہائی

نکالیں اسے جلد اپنے وطن سے　　جو ہم چاہتے ہیں وطن کی بھلائی

وگرنہ یوں ہی روئیں گے عمر بھر ہم

رہے گی ہمیشہ یوں ہی جگ ہنسائی

ہمارے بچے

انھیں بچوں پہ ہیں موقوف گھر کی ساری امیدیں
یہی بچے ہمارے جانشیں ہوں گے جواں ہو کر

کرو ان کو مزین جوہرِ علم و سیاست سے
کہ چمکیں ہند میں یہ ایک دن قومی نشاں ہو کر

کرو پیدا خیالوں میں تم ان کے رفعت و عظمت
کہ آئندہ رہیں یہ اس زمیں پر آسماں ہو کر

بچاؤ ان کو تفریق و تعصب کی ہواؤں سے
انھیں حرص و ہوا و فتنہ و شر سے الگ رکھو
رہیں ملک و وطن میں دعوتِ صلح و اماں ہو کر

انھیں تعلیم دو اخلاق کی ایثار و خدمت کی
کہ رہنا ہے انھیں قوم و وطن کا پاسباں ہو کر

جو بچپن میں ہماری تربیت بھی ہو گئی ہوتی

نہ رہتا آج یوں طوقِ غلامی حرزِ جاں ہو کر
اگر احساسِ غیرت ہم میں پیدا کر دیا جاتا
تو رہ سکتے نہ تھے انگریز ہم پر حکمراں ہو کر
اگر رکھا نہ جاتا ہم کو بیگانہ حمیت سے
تو رہتے ہم یقیناً کامیاب و کامراں ہو کر

گزشتہ غفلتوں کی کچھ تلافی ہے یونہی ممکن
کہ یہ بچے کریں کچھ قوم کی خدمت جواں ہو کر
ہمارا فرض ہے ہم ان کو اس قابل بنا جائیں
کہ دنیا میں رہیں یہ عزتِ ہندوستاں ہو کر

"فرضِ انسانی"

فرض ہے انساں پر تبلیغِ حق و حریت
بس یہی اک چیز ہے اصلِ مآلِ زندگی
خدمتِ ملک و وطن کر کے تمہیں بھی دوستو
پیش کرنی چاہیئے بہتر مثالِ زندگی

تم نے اپنی زندگی جس طرح چاہی کاٹ دی — کیا کیا لیکن مفادِ ملک و ملت کے لئے
کیا کیا ہاں کیا کیا اہلِ وطن کے واسطے — کیا کیا آیندہ نسلوں کی حفاظت کے لیے

ملک محکومی کی زنجیروں میں ہے جکڑا ہوا — اس کی آزادی کی بھی ترکیب کچھ سوچی گئی؟
ہر طرف پھیلی ہے تفریق و تعصب کی وبا — اس کے دفعیہ کی بھی تدبیر کوئی کی گئی؟

اے وطن والو! وطن میں یوں گذارو زندگی — بعد مرنے کے تمہارا ذکر ہو عزت کے ساتھ
یہ نہ ہو گر نام آجائے خدانا خواستہ
پھر لیں اہلِ وطن منھ ذلت و نفرت کے ساتھ

جوانانِ وطن

نام نامی ہے تمہارا زیبِ عنوانِ وطن — ہے تمہارے دم سے روشن شمع ایوانِ وطن
بس تمہیں روحِ وطن ہو بس تمہیں جانِ وطن — ہے تمہارے ہی سبب عزت و شانِ وطن
اے فدایانِ وطن اے سرفروشانِ وطن
اے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن

ہیں تمہارے دم قدم کی ہی یہ ساری خوبیاں　　گام زن ہیں ایک رستے پر جو اہلِ کارواں
صدق دل سے ہو رہی ہے خدمت ہندوستاں　　ملک میں ہیں جرأت و عزم و صداقت کامراں

بڑھ رہا ہے ہر قدم پر جوش و ہیجانِ وطن

اے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن

زندگی سمجھا ہے تم نے ہر غم و آزار کو　　شوق سے تم نے لگایا ہے گلے تلوار کو
تم نے سر دے کر خریدا ہے کمندِ دار کو　　تم نے اپنے خون سے سینچا ہے اس گلزار کو

لہلہائے کیوں نہ پھر ہر دم گلستانِ وطن

اے جوانانِ وطن اے نوجوانانِ وطن

ہے تمہارے ہاتھ میں کل شوکت و اقبال کی　　ہو تم اک تصویر عزم و ضبط و استقلال کی
رنج کا غم ہے نہ پروا تم کو اضمحلال کی　　تم سے وابستہ ہیں امیدیں سب استقبال کی

ہو تمھیں امیدگاہِ عظمت و شانِ وطن

اے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن

آ گئی کشتی کنارِ بحر ساحل ہے قریب　　ہو چکے طے مرحلے جتنے تھے منزل ہے قریب
ہاں بس اب لیلائے آزادی کا محمل ہے قریب　　اک ذرا ہمت دکھاؤ ختم مشکل ہے قریب

لے لیا ہاں لے لیا تم نے وہ میدانِ وطن

اے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن

خطاب بہ مُسلم

تو نے اے مسلم کبھی سوچی یہ بات — اس قدر ہے تو ذلیل و خوار کیوں
حال کیوں رونے کے قابل ہے ترا — ہنس رہے ہیں تجھ پہ آج اغیار کیوں
ہوگئی روح عمل کیوں تجھ سے سلب — ہوگئے تیرے قویٰ بے کار کیوں
کیا ہوا تیرا وہ سب جوش و خروش — موت کے سے ہیں یہ سب آثار کیوں
جیتے جی مُردوں سے بدتر ہوگیا — ہو رہا ہے دوسروں پر بار کیوں
ہوگئے کیوں سست و بازو شل ترے — ہو رہا ہے نقش بر دیوار کیوں
تیرے اجزا گر نہ ہوتے مُنتشر — تیرے دامن کے بکھرتے تار کیوں
چھوڑ دیتا گر نہ تو اپنی سپر — تجھ پہ ہوتے دشمنوں کے وار کیوں
سرد ہو جاتا نہ تیرا خون اگر — گرم ہوتی محفل اغیار کیوں
گر نہ مٹ جاتا تری غیرت کا جوش — ہوتی اتنی تیری گیر و دار کیوں
تو نہ کھو دیتا اگر اپنا وقار — تجھ سے ہوتا اک جہاں بیزار کیوں

سب ترے اعمالِ بد کی ہے سزا
رو رہا ہے پھر یہ تو بے کار کیوں

دھرم و ایمان

بہت دن سے وطن میں اک محاذ جنگ قائم ہے
کہیں ہے دھرم کو خطرہ کہیں ایمان کو خطرہ

بپا ہے سخت طوفاں رونما ہیں سخت ہنگامے
کہیں ہے وید کو خطرہ کہیں قرآن کو خطرہ

کہیں مسجد کو خطرہ ہے شوالے کی مہنتوں سے
کہیں ہے خانقہ والوں سے دیواستھان کو خطرہ

کہیں مسلم کو خطرہ اپنے ایمانی تحفظ کا
کہیں ہندو کی پوجا پاٹ کو اپمان کو خطرہ

کہیں شدھی کی پرچاروں کو خطرہ دھرم رکھشا کا
کہیں تبلیغ کی جھنڈے کی آن و بان کو خطرہ

نہیں ہوتا کوئی ایسا منٹ چوبیس گھنٹے میں
نہ رہتا ہو وطن والوں کے مال و جان کو خطرہ

یہ ساری پیش بندی ہے فقط اس بات کی خاطر
کہ لاحق ہو نہ برٹش راج کے ایوان کو خطرہ

یہ ٹھیکہ دار دین اور دھرم کے اسلئے ہی ضامن ہیں
نہ پیدا ہو مفادِ اہلِ انگلستان کو خطرہ

یہ خانہ جنگیاں جتنی ہیں سب کا مدعا یہ ہے
نہ ہرگز رونما ہو جان بل کی جان کو خطرہ

غلامانِ ازل یعنی یہ جھوٹے پیشوائے دیں
لگا رہتا ہے ہر دم جن کی دسترخوان کو خطرہ

وہ کب چاہیں گے کوئی اسطرح کا انقلاب آئے
کہ ہو محسوس اُن کی امن و اطمینان کو خطرہ

ہمارا فرض ہے ہم ان لعینوں کو فنا کر دیں
کہ ہے ان کے سبب سے عام ہندوستان کو خطرہ

لیڈرِ قوم

مجھکو اس فکر کی مقدار کا ہی علم صحیح　　لیڈرِ قوم کو ہے جس قدر اسلام کی فکر
یہ بھی معلوم ہے کتنا ہے اسے قوم کا درد　　کس قدر ہے ڈنر و دعوتِ حکام کی فکر
کس قدر ملک کے ادبار کی ہے فکر اسے　　کس قدر شہرت و عزت کی ہے اور نام کی فکر
کس قدر ملتِ مرحوم کی خدمت کا ہے شوق　　کس قدر ہے طلبِ خلعت و انعام کی فکر
کس قدر ہے اسے مزدور کی تکلیف کا غم　　کس قدر بنگلہ و موٹر میں ہے آرام کی فکر
کس قدر فاقۂ و ناداریٔ ملت کا ہے رنج　　کس قدر کوفتہ و یخنی و بادام کی فکر

مصلح قوم کا اخلاص مسلّم ہے مگر
چاہیئے قوم کو خود اپنے سر انجام کی فکر

"ہندوستان ہمارا"

سارے جہاں کی قیمت ہندوستاں ہمارا
یہ ہے اگر ہمارا، سارا جہاں ہمارا

کیا سہل ہے مٹانا نام و نشان ہمارا
دشمن ہوا ہے ناحق دورِ زماں ہمارا

تم کو بھی اہلِ یورپ شاید ہوں یاد وہ دن
تھا شرق و غرب میں جب سکّہ رواں ہمارا

آزادیِ وطن کا سودا ہے سب کے سر میں
ہر پیر آج کل ہے رشکِ جواں ہمارا

ہم وہ نہیں کہ حق سے ہٹ جائیں اک قدم بھی
خوب امتحان کر لے او آسماں ہمارا

انگلینڈ جس بنا پر فطری حق آپ کا ہے
ہے بس اسی بنا پہ ہندوستاں ہمارا

لینا ہے ہم کو بدلا چرخِ کمینہ خو سے
کام آئے گا کسی دن ضبطِ فغاں ہمارا

خطرہ

بجا ارشاد ہوتا ہے جنابِ حضرتِ واعظ
کہ ہے ہندوستاں میں آج کل اسلام خطرے میں

جو اِس ارشادِ عالی کو غلط جانے وہ کافر ہے
کہ ہے اب فرقہ بندی کے مشن کا کام خطرے میں

یقیناً دینِ قیم مستقل خطرے کے اندر ہے
اگر ہے ذاتِ والا کا نمود و نام خطرے میں

وقارِ قومی و ملی کو بیشک ہے قوی خطرہ
اگر آں قبلہ کا ہے خلعت و انعام خطرے میں

بلاشک مذہب و ملت پہ ہے خطرات کی یورش
اگر ہیں اعتقاد و فتنہ و اوہام خطرے میں

یہ سب خطرے بجا لیکن جنابِ قبلہ و کعبہ
نظر آتا ہے مجھ کو آپ کا انجام خطرے میں
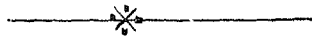
ہندوستان کی گزشتہ حالت

پچھلی باتیں جب بزرگوں سے کبھی سنتا ہوں میں
ہند کی موجودہ بدحالی پہ سر دھنتا ہوں میں

اِک زمانہ تھا کہ ہندستان، ہندستان تھا
دولت و آسودگی و عافیت کی کان تھا

لذّتِ عیش و سرور و لطف سے دل سیر تھے
ہُن برستا تھا زر و گوہر کے ہر سو ڈھیر تھے

لہلہاتی کھیتیاں تھیں اور تر و تازہ تھے باغ
سنبل و ریحان و نسریں سے معطّر تھے دماغ

مجلسیں تھیں، محفلیں تھیں، جشن تھے تیوہار تھے
عیش کی گھڑیاں تھیں بے فکری کی کاروبار تھے

دعوتیں تھیں، دعوتوں میں اہتمامِ عود و چنگ
ہر طرف یا قہقہے یا چہچہے، یا ناچ رنگ

رات دن لہو و لعب کا شور بازاروں میں تھا
تذکرہ مہر و وفا کا ہر گھڑی یاروں میں تھا

دِل غمِ امروز و فردا سے نہ رکھتے تھے ہراس
ذہن فکرِ نفع و نقصاں آنے دیتے تھے نہ پاس

تھے سدا برت اک طرف مہمان خانے اک طرف
جشنِ عشرت اِک طرف تھے شادیانے اِک طرف

اہلِ حکمت کے لئے شاہی خزانے وقف تھے
صنعت و حرفت کی خاطر کارخانے وقف تھے

ذہنِ اربابِ فن تھا گوہر و مرجاں سے پُر
روندتے تھے پاؤں میں اہلِ کمال الماس و دُر

شعر و انشا کے لیے رہتے تھے شاہی در کھلے
لاکھ دروازے تھے نعمت کے ادیبوں پر کھلے

علم و فن کے قدرداں تھے گوشہ گوشہ میں یہاں
ایک گھر ہوتا تھا اور پلتے تھے اُس میں خانداں

وقف تھی خدمت امیروں کی غریبوں کے لئے
ہر گھر اک ماں تھا گویا غم نصیبوں کے لئے

شہر قصبہ گاؤں قریہ ہر جگہ آباد تھی
بج رہی تھی چین کی بنسی رعیت شاد تھی

صنعت اپنی تھی تجارت اپنی حرفت اپنی تھی
سب کچھ اپنا تھا جہاں میں جب حکومت اپنی تھی

ملک میں ناداری و افلاس تھے یوں پائمال
جس طرح آسودگی و عیش ہیں اب خستہ حال

ایک ہی اسٹیج پر مسلم بھی تھے ہندو بھی تھے
ایک منزل میں جہاں درویش تھے سادھو بھی تھے

سب رہا کرتے تھے باہم بھائی بھائی کی طرح
ڈالتے تھے ملک و ملت میں بھلائی کی طرح

سب کے سب تھے بامروت بامحبت باوفا
آئینہ حسن عمل، گنجینۂ صدق و صفا

سب کے سب تھے نیک خصلت، نیک طینت، نیک خو
سب کو تھی تعمیر و اصلاحِ وطن کی آرزو

جو یہاں تھا جوہر مردانگی میں فرد تھا
بچہ بچہ دانش و فرزانگی میں فرد تھا

مسجد و مندر کو مشق تفرقہ سازی نہ تھی
سُبحہ و زنّار کی خو فتنہ پردازی نہ تھی

مُنسلک تھے ایک ہی رشتے میں شیخ و برہمن
ہر طرف دریا تھے صلح و آشتی کے موجزن

اپنی اپنی ملتیں تھیں اپنے اپنے دین تھے
صدق و اخلاص و رواداری کے سب آئین تھے

ہر خوشی تھی ساتھ ساتھ اپنی ہر اک غم ساتھ ساتھ
روز ہوتے تھے دسہرے اور محرم ساتھ ساتھ

ہائے وہ دن کیا ہوئے اب وہ زمانے کیا ہوئے
یا الٰہی سب پہلے کارخانے کیا ہوئے

اب وہ شادابی و خوش حالی نہ وہ عیش و نشاط
بے طرح پلٹی ہے طرح زندگانی کی بساط

عیش کی جلسوں کے بدلے اب ہے بزمِ شور و شین — رات دن نغمے جہاں تھے اب سنے جاتے ہیں بین
ہیں فلاکت اور نحوست چھاونی چھائے ہوئے — گِدھ ہوا و حرص کی پھرتے ہیں منہ لٹکائے ہوئے
مفلسی بے زری کی ہے وبا پھیلی ہوئی — مکر و عیاری کی ہے ہر سو ہوا پھیلی ہوئی
علم والے دربدر پھرتے ہیں روٹی کے لئے — اہلِ فن محتاج ہیں دھوتی لنگوٹی کے لئے
جل رہا ہے خاک و خوں میں جذبۂ حبِّ وطن — ہیں فدائے ملک و ملت کے لئے دار و رسن
اب نہ آپس میں محبت ہے نہ ربط و اتحاد — بے طرح پلٹی ہے طرحِ زندگانی کی بساط
نام پر مذہب کے چلتی ہے سدا تلوار اب — زور پر ملت فروشی کا ہے کاروبار سب
اک طرف ہیں دین کی خادم تبر تولے ہوئے — ایک جانب دھرم کی سیوک ہیں لٹھ کھولے ہوئے
رات دن یا قتل و خوں ہے یا جدال و جنگ ہے — یا وہ نقشہ تھا کبھی یا ملک کا یہ رنگ ہے

جی میں ہے جی بھر کے اس حالت پہ ماتم کیجئے
جان بل صاحب کے قدموں کو دعائیں دیجئے

"تعلیم کا اثر ہندوستان میں"

سنتے ہیں کہ تعلیم سے ہو جاتے ہیں پیدا — انسان کی فطرت میں صفات ملکوتی
رکھتی ہیں جو اقوام درندوں کے خصائل — تعلیم کی برکت سے سدھر جاتی ہیں وہ بھی

جن قوموں کا شیوہ تھا ہمیشہ جدال و جنگ — تصویر ہیں اب آشتی و صلح و صفا کی

ہیں آج صفِ اولِ تہذیب میں وہ ملک — کل تک جو گنے جاتے تھے آوارہ و وحشی

جن لوگوں کی فطرت تھی نفاق و حسد و بغض — اب ہو گئی تعلیم سے کایا پلٹ ان کی

اب نورِ محبت سے فضا سب ہے وہ معمور — تفریق و تعصب کی جہاں چھائی تھی بدلی

رہتا تھا جہاں خون کا بازار سدا گرم — اب امن و اماں کی ہے پرستار وہ بستی

تھا غارت و تاراج سدا جن کا طریقہ — اب صلح پسند ان سے زیادہ نہیں کوئی

لڑتے تھے جو باہم وہ گراب ہو گئے سب ایک — دشمن تھے جو آپس میں وہ سب بن گئے بھائی

ہیں سامنے امریکہ و یورپ کی مثالیں — کرتی ہیں جو اس قول کی تائید بدیہی

دیکھو تو حقیقت میں ہے تعلیم کا صدقہ — ورنہ یہ وہی "ان سویلائزڈ" ہیں وحشی

ہیں آج ترقی کی یہ جس آخری حد پہ — دنیا میں مثال اس کی کہیں مل نہیں سکتی

یہ ان کی امارت، یہ ثقاہت، یہ سیاست — یہ ان کا تمدن، یہ ترفع، یہ تعلی

یہ ان کے خیالات، یہ عادات، یہ اطوار — یہ ان کے مقاصد، یہ مبانی، یہ مبادی

باہمدگر ان کا یہ خلوص اور یہ ایثار — یہ عزم جری اور یہ ارادوں کی بلندی

القصہ یہی ماننا پڑتا ہے بالآخر — تعلیم اثر اپنا دکھاتی ہے یقینی

ہو جاتا ہے لیکن ہمیں اس وقت تحیر — جب ہند کی حالت پہ نظر جاتی ہے اپنی

جو چیز ہے دنیا کے لئے باعث رحمت
افسوس کہ ہے اپنے لئے وجہ تباہی

اُس شمع سے ہے اپنا مکان تیرہ و تاریک
جس شمع سے ہے نور فشاں محفل گیتی

جس شہد سے ہے کام و دہن خلق کے شیریں
اُس شہد میں ہے اپنے لئے صبر کی تلخی

جس نہر سے سرسبز ہیں دنیا کی زمینیں
اُس نہر کے پانی سے یہاں خشک ہے کھیتی

دنیا میں ہے تعلیم و تعلّم کی بدولت
اعمال کی اصلاح، خیالوں کی درستی

اور ہند میں تعلیم کی برکت سے ہے ہر سمت
افلاس میں ادبار میں نکبت میں ترقی

ہیں نت نئے اسلوبِ قتال و جدل و جنگ
ہر لحظہ ہے اک معرکۂ نو کی منادی

دامن سے چھٹا تھا نہ محرم کا ابھی خوں
میدان میں صف آکے دسہرے نے جما دی

ہولی ابھی بیٹھی بھی نہ تھی خاک اڑا کر
پٹنے لگی ہر سمت بقر عید کی ڈگّی

مسجد کے نمازی ہیں کہیں مستعدِ جنگ
آمادۂ خوں ہیں کہیں مندر کے پجاری

تبلیغ جمائے ہے کسی سمت اکھاڑا
میداں میں صف آرا ہے کہیں لشکرِ شدھی

ہے ایک طرف دین کی خدمت بھی مقدم
ہے ایک طرف دھرم کا پالن بھی ضروری

ڈھونڈے سے بھی شاید نظر آئیں گے نہ دو دل
ایسے کہ ہم جن میں نظر آئے صفائی

دل سوزی و ہمدردی و اخلاق کا کیا ذکر
یا بندۂ اغراض ہیں یا سب متفنّیٔ

چاہے بھی اگر کوئی فریقین میں سلجھاؤ
اک دوسرے سے بڑھ کے نظر آئیگا ضدّی

پھر لطف یہ ہے ان میں جو ہیں پیشرو ملک
سب وہ ہیں کہ تعلیم ہے جن کی بہت اونچی

بی اے بھی بہت ان میں ہیں ایم اے بھی بہت ہیں
ایسے بھی ہیں لائے ہیں ولایت سے جو ڈگری

سائنس کے ماہر بھی ہیں قانون کے بھی مرد
ہیں منتہی فلسفہ و نحو و ادب بھی

لیکن انھیں تعلیم سے پہنچا ہے یہی فیض
کرتے رہیں آپس میں یوں ہی تفرقہ سازی

ہر شخص نکالے گا یہی اس سے نتیجہ
تعلیم تو اک جوہر خالص ہے یقینی

ہوتا ہے مگر ہم پہ جو اس کا اثر الٹا
ہے اصل سبب اس کا فقط اپنی غلامی

"غلامی"

غلامی کیا ہے اے محکومِ جہل و ذلت و خواری
یہ اک لعنت ہے غیبی لعنتوں میں سے بڑی بھاری

وقار و غیرت و تمکین و عزّ و شان کی دشمن
یہ آسائش کی دشمن امن و اطمینان کی دشمن

قدم جس سرزمیں جس ملک پہ اس نے جمایا ہے

عمل اپنا وہاں سے عیش و راحت نے اُٹھایا ہے
اثر ذرّہ برابر ہے جہاں اس کی نحوست کا
کبھی سایہ بھی پڑ سکتا نہیں واں خیر و برکت کا
گرادیتی ہے یہ انساں کو معیار شرافت سے
ہٹادیتی ہے بالکل آدمی کو آدمیت سے
بشر صورت میں انسان ہے مگر حیوان سے بدتر
بظاہر شیر لیکن اک سگِ بے جان سے بدتر
یہ دین و مذہب و ایمان سے بے گانہ کرتی ہے
یہ اربابِ تمیز و ہوش کو دیوانہ کرتی ہے
لطافت سلب کرلیتی ہے یہ عالی دماغوں کی
طراوت خشک کر دیتی ہے یہ سرسبز باغوں کی
بنادیتی ہے بد اندیش یہ روشن خیالوں کو
مٹادیتی ہے صدق و عدل کی زندہ مثالوں کو
سجھاتی ہے یہ انساں کو فریب و مکر و عیّاری
سکھاتی ہے یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ غدّاری

بہت مشکل ہے بچنا اس کی پوشیدہ لپیٹوں سے
یہ گردن باپ کی کٹواکے دم لیتی ہے بیٹوں سے
عطا کرتی ہے کوتہ قامتی بالا بلندوں کو
دکھا دیتی ہے یہ تحت الثرےٰ رفعت پسندوں کو
محبّت سے یہ جس کے سر پہ اپنا ہاتھ دھر دے گی
یقیں جانو کہ اُس کو قبر ہی میں بند کر دے گی
شرافت ہے نہ عزّت ہے حمیت ہے نہ غیرت ہے
حذر اس ملک سے جس ملک میں اس کی حکومت ہے
بہم یہ دو دلوں کو اک جگہ ہونے نہیں دے تی
کہیں ہنسنے نہیں دیتی کہیں رونے نہیں دے تی
خدا ترسی و ہم دردی و احساسِ روا داری
یہ سب کی دشمنِ جان سب کی وجہ خانہ مسماری
عمل کی قوتوں کو روبکار آنے نہیں دیتی
کبھی باغِ مسرت میں بہار آنے نہیں دیتی
یہ مزدوری سے آگے اک قدم بڑھنے نہیں دیتی

یہ بامِ ثروت و اقبال پر چڑھنے نہیں دیتی
بس اس کے راج میں افلاس ہے یا فاقہ مستی ہے
فلک سے ہُن کے بدلے آگ ہر جانب برستی ہے
خدا کے نیک بندے دانے دانے کو ہیں آوارہ
سوا بے چارگی کے جن کا دنیا میں نہیں چارہ
سُن اے ہندوستاں اے ذلت و نکبت کی شیدائی
سراپا حسرت و عبرت ہمہ تن خوف و رسوائی
سُن اے جہل و تعصب اے فساد و شر کے متوالے
ہوا و حرص والے کینۂ و بغض و حسد والے
اگر گھبرا گیا ہے اب ترا جی قعرِ پستی میں
اگر ہونا ہے تجکو رونما دنیائے ہستی میں
اگر تو چاہتا ہے تجھ کو دنیا آدمی جانے
اگر تیری یہ خواہش ہے زمانہ تجکو پہچانے
اگر تو چاہتا ہے صاحبِ سیف و قلم ہونا
اگر ہے تجھ کو اہلِ صاحبِ طبل و علم ہونا

اگر گھٹنے لگا ہے دم ترا کنجِ مذلت میں
اگر ہونا ہے تجھ کو گام زن راہِ سعادت میں
اگر اُکتا گیا ہے بندشِ طوق و سلاسل سے
اگر آزاد ہونا چاہتا ہے واقعی دل سے
اگر تو چاہتا ہے تیرا قبضہ بحر و بر پہ ہو
اگر خواہش ہے تیری مالکِ دیہیم و افسر ہو
تو اُٹھ اور توڑ دے جہل و حماقت کی یہ زنجیریں
پلٹ جا اور پلٹ دے عالمِ امکاں کی تقدیریں
تعصب چھوڑ دے تفریق کی بنیاد کھدوا دے
یہ دیوارِ دوئی جو درمیاں میں ہو اسے ڈھا دے
کہاں تو اور کہاں یہ سبحہ و زنّار کے پھندے
خودی چھوڑ اور خدا کو مان اے اللہ کے بندے
دکھاوٹ ہو چکی خودبینی و عُجب و رعونت کی
نمائش چاہیئے اب عقل و ایثار و صداقت کی
دکھائے تو نے برسوں زخم پشت و بازو و سر کے

بس اب ہتھیار رکھ دے لڑ چکا تو بس خوب جی بھر کے
بہم اس سر پھٹول پر بہت کچھ واہ وا ہولی
عدو خوش ہو لئے احباب میں آہ و بکا ہولی
بہت ہنسوالیا اپنی حماقت پر زمانے کو
بس اب بتی بتا بارود کے اس کارخانے کو
وگرنہ یاد رکھ وہ وقت اب جلد آنے والا ہے
کہ تو لوحِ جہاں سے یک قلم مٹ جانے والا ہے

علم کی ضرورت

جہاں میں ہر طرف ہے علم ہی کی گرم بازاری
زمیں سے آسماں تک بس اسی کا فیض ہے جاری

یہی سرچشمۂ اصلی ہے تہذیب و تمدن کا
بغیر اس کے بشر ہونا بھی ہے اک سخت بیماری

بناتا ہے یہی انسان کو کامل ترین انسان
سکھاتا ہے یہی اخلاق و ایثار و رواداری

یہی قوموں کو پہنچاتا ہے اوجِ بامِ رفعت پر
یہی ملکوں کے اندر پھونکتا ہے روحِ بیداری

اسی کے نام کا چلتا ہے سکہ سارے عالم میں
اسی کے سر پہ رہتا ہے ہمیشہ تاجِ سرداری

اسی کے سب کرشمے یہ نظر آتے ہیں دنیا میں — اسی کے دم سے رونق عالمِ امکاں کی ہے ساری

یہ لاسلکی یہ ٹیلیفون یہ ریلیں یہ ملیّارے — یہ زیرِ آب و بالائے فلک انساں کی طراری

حدودِ استوا قطبین سے یوں ہوگئے مدغم — کہ ہے اب ربعِ مسکوں گھر کی جیسے چار دیواری

سمندر ہوگئے پایاب صحرا بن گئے گلشن — کیا سائنس نے اعترافِ عجز و ناچاری

بخار و برق کا جرار لشکر ہے اب آمادہ — اگلوالے زمین و آسماں کی دولتیں ساری

غرض چاروں طرف اب علم ہی کی بادشاہی ہے
کہ اسکے بازوؤں میں قوّتِ دستِ الٰہی ہے

نگاہِ غور سے دیکھو اگر حالاتِ انسانی — تو ہو سکتا ہے حل یہ عقدۂ مشکل بآسانی

وہی قومیں ترقی کے مدارج پر ہیں فائق تر — کہ ہے جن میں تمدن اور سیاست کی فراوانی

اسی کے زعم میں ہے جرمنی چرخِ تفاخر پر — اسی کے زور پر مریخ کا ہمسر ہے جاپانی

اسی کی قوتِ بازو پہ ہے مغرور امریکہ — اسی کے بل پہ ٹرکی ہو رہا ہے رستمِ ثانی

اشارے پہ اسی کے نقل و حرکت ہے سب اٹلی کی — اسی کے تابعِ فرمان ہیں روسی و ایرانی

اسی کی جنبشِ ابرو پہ ہے انگلینڈ کا غرہ — اسی کے ہیں سب آوردے فرانسیسی و البانی

کوئی ملک اب نہیں جس میں یہ جوہر نہ رخشندہ — نہ غافل اس سے چینی ہیں نہ شامی ہیں نہ ایرانی

بغیر اس کے جو رہنا چاہتے ہیں اس زمانہ میں — سمجھ رکھیں فنا ان کے لیئے ہے حکم ربانی

زمانہ پھینک دیگا خود اُنھیں قعرِ ہلاکت میں　　وہ اپنے ہاتھ سے ہوں گے خود اپنی قبر کے بانی

زمانہ میں جسے ہو صاحبِ فتح و ظفر ہونا
ضروری ہے اُسے علم و ہنر سے بہرہ ور ہونا

ترقی کی کھلی ہیں شاہراہیں دہر میں ہر سو　　نظر آتا ہے تہذیب و تمدن سے جہاں مملو
چلے جاتے ہیں اُڑتے شہسوارانِ فلک پیما　　خراجِ تہنیت لیتے ہوئے کرتے ہوئے جادو
گذرتے جا رہے ہیں دوسروں کو چھوڑتے پیچھے　　کبھی ہوتا ہے صحرا مستقر ان کا کبھی ٹاپو
کمر باندھے ہوئے دن رات چلنے پر ہیں آمادہ　　دماغ افکار سے اور دل ہیں فورِ شوق سے مملو
الگ رہ کر خیالِ زحمت و احساسِ راحت سے　　لگے ہیں اپنی اپنی فکر میں با خاطرِ یک سو
مگر ہم کہ اصلاً حس نہیں ہم کو کوئی اس کی　　ہمارے پائے ہمت ان مراحل میں ہیں بے قابو
جہاں پہلا قدم رکھا تھا روزِ اولیں ہم نے　　نہیں سرکے اُس اپنے اصلی مرکز سے بقدرِ مُو
یہ حالت ہے کہ ہم پر بند ہے ہر ایک دروازہ　　نظر آتا نہیں ہرگز کوئی امید کا پہلو

مگر وا حسرتا پھر بھی ہم اپنے زعمِ باطل میں
سمجھتے ہیں زمانے بھر سے آگے خود کو منزل میں

ضرورت ہے کہ ہم میں روشنی ہو علم کی پیدا　　نظر آئے ہمیں بھی تاکہ اصلِ حالتِ دنیا
ہمیں معلوم ہو حالات اب کیا ہیں زمانے کے　　ہمارے ساتھ کا جو قافلہ تھا وہ کہاں پہنچا

جو پستی میں تھے اب وہ جلوہ گر ہیں بامِ رفعت پر
جو بالکل بے نشاں تھے آج ہے ان کا علم برپا

ہماری خوبیاں سب دوسروں نے چھین لیں ہم سے
زمانے نے ہمیں اتنا جھنجوڑا کر دیا ننگا

رواداری، اخوت، دوستی، ایثار و ہمدردی
خیالِ ملک و ملت، دردِ قوم، اندیشۂ فردا

یہ سب جوہر ہمارے تھے کبھی اے وائے محرومی
بنے ہیں خوبیٔ قسمت سے جو اب غیر کا حصہ

اگر ہو جائیں راغب اب بھی ہم تعلیم کی جانب
تو کر سکتے ہیں اب بھی ملک میں ہم زندگی پیدا

بہت کچھ وقت ہم نے کھو دیا ہے لیکن اب پھر بھی
اگر چاہیں تو کر دیں پیش رو کو اپنے ہم پسپا

نکما کر دیا ہے کاہلی نے گو ہمیں لیکن
رگوں میں ہے ہماری خوں ابھی تک دوڑتا پھرتا

کوئی مخفی حرارت گر ہمارے دل کو گرما دے
ہمارے جسم میں پھر زندگی کی روح دوڑا دے

وطن والو بہت غافل رہے اب ہوش میں آؤ
اُٹھو بیدار ہو عقل و خرد کو کام میں لاؤ

تمہارے قوم کے بچوں میں ہے تعلیم کا فقدان
یہ گتھی سخت پیچیدہ ہے اسکو جلد سلجھاؤ

یہی بچے بالآخر تم سبھوں کے جانشیں ہوں گے
تم اپنے سامنے جیسا انہیں چاہو بنا جاؤ

بہت ہی رنجدہ ہو جائیگی اسوقت کی غفلت
کہیں ایسا نہ ہو موقعہ نکل جانے پہ پچھتاؤ

یہ ہے کارِ اہم دو چار اسکو کر نہیں سکتے
خدارا تم بھی اپنے فرض کا احساس فرماؤ

یہ بوجھ ایسا نہیں جس کو اٹھالیں چار چھ ملکر
سہارا دو، سہارا دوسروں سے اس میں لواؤ

جو ذی احساس ہیں حاصل کرو تم خدمتیں انکی   جو بے پروا ہیں انکو جس طرح ہو اس طرف لاؤ

غرض جیسے بھی جس شکل سے بھی ہو یہ لازم ہے   تم اپنے قوم کے بچوں کو اب تعلیم دلواؤ

اگر تم مستعدی کو بنالوگے شعار اپنا

یقین جانو کہ مستقبل ہے بیحد شاندار اپنا

خداوندا! دعاؤں میں ہماری ہو اثر پیدا   شب غفلت ہماری پھر کرے نور سحر پیدا

ہمارے سارے خوابیدہ قویٰ بیدار ہو جائیں   سر نو پھر ان میں زندگی کی کر و فر پیدا

ہمیں احساس ہو ہم کون تھے اور آج ہم کیا ہیں   کریں احوال ملکی کے لئے گہری نظر پیدا

ملا رکھا ہے اپنے جوہر قابل کو مٹی میں   ہم اب بھی خاک سے کر سکتے ہیں لعل و گہر پیدا

اگر چاہیں تو ہم مشکل وطن کی دم میں حل کر دیں   ہزاروں صنعتیں کر سکتے ہیں ہم کارگر پیدا

بظاہر گو ہم اک تودہ ہیں بالکل راکھ کا لیکن   اگر چاہیں تو خاکستر سے کر دیں سو شرر پیدا

وطن کا نکبت و افلاس کھو دیں ہم اشارے میں   جہاں ٹھوکر لگا دیں ہو وہیں سے کان زر پیدا

ہم اس منزل کی آخر پر پہنچ کر بالیقیں دم لیں   اگر کچھ تازہ دم ہو جائیں اپنے ہم سفر پیدا

جو کوشش متحد ہو کر کہیں اک بار ہو جائے

یقیں ہے ملک کی قسمت کا بیڑا پار ہو جائے

ہندوستان

اے زمینِ ہند اے گہوارۂ حسنِ بتاں
اے جہانِ راز اے سرچشمۂ رازِ جہاں

ذرّے ذرّے میں ترے پنہاں ہیں اسرارِ حیات
چپّے چپّے سے ترے پیدا ہیں انوارِ حیات

خوبی و رعنائی و انداز کی دنیا ہے تو
حُسنِ شیریں منفعل ہے جس سے وہ لیلا ہے تو

تیرے عشوے روح پرور تیرے غمزے جاں فزا
ترش روئی میں تری شیریں نوائی کا مزا

جس ادا کو دیکھئے وہ دیدہ پرور دیدہ زیب
سر سے پا تک دلستان و دلربا و دلفریب

رشکِ صد بتخانۂ چیں ہے صنم خانہ ترا
غیرتِ صد گلشنِ رضواں ہے کاشانہ ترا

وسعتِ خوانِ کرم تیری محیطِ عالم ہے
تیرا محتاج محتاجِ عطا ہے روم ہے یا شام ہے

کر دیا اپنی غنا سے تو نے عالم کو غنی
مشرق و مغرب میں ہے تیری دہش کی روشنی

دولت و ثروت کے چشمے ہوں نہ مانے ہیں کہیں
سوت اے ہندوستاں ان کی مگر ہوگی یہیں

تو کمال و عظمت و فضل و ہنر کی کان ہے
سیم و زر کی کان ہے لعل و گہر کی کان ہے

گلشنِ عالم کی یہ سرسبزیاں شادابیاں
تیری نہروں تیرے دریاؤں کی ہیں سیرابیاں

یہ قوی بازو یہ چہرے سرخ یہ روشن جبیں
سب تری رنگینیوں ہی کی ہیں یہ نقش و نگیں

زلف و عارض کی سیاہی و صفائی تجھ سے ہے
جامہ زیبی تجھ سے ہے رنگیں قبائی تجھ سے ہے

یہ زمانہ کی خودی و تمکنت، ناز و غرور
ہے ترے ایثار و بذل و جود ہی کا سب ظہور

تو اگر خوشحال ہو سارا جہاں خوش حال ہے
تیرے اضمحلال سے دنیا کو اضمحلال ہے

یہ ترے دریا ترے جھرنے یہ تیری گھاٹیاں
یہ ترے بندر ترے سنگم تری چوپاٹیاں

یہ ترے میدان یہ ٹیلے ترے بن لور یہ جھاڑ
یہ گھنے جنگل یہ گہرے غار یہ اونچے پہاڑ

الغرض ہے جامع اوصاف عالم تیری ذات
آگئی ہو جس طرح تجھ میں سمٹ کر کائنات

لیکن ان ساری صفات اور خوبیوں کے باوجود
یہ سبب کیا ہے کہ ہے مثل عدم تیرا وجود

کھا گئی کس کی نظر تجھکو یہ ہے اب حال کیا
ہو گیا تیرا وہ جاہ و حشمت و اقبال کیا

آج ہے ضرب المثل عالم میں ناداری تری
کیا ہوئی ہاں کیا ہوئی وہ گرم بازاری تری

تیری رنگینی و رعنائی وہ سب کافور ہے
حسن تیرا پردۂ افلاس میں مستور ہے

آنیوالے تیرے ہاں باہر سے مالا مال ہیں
تیرے گھر والے فلاکت سے پریشاں حال ہیں

آئے تھے پردیس سے مزدوراں کا راج ہے
سلطنت اقبال و عظمت کی تری تاراج ہے

حیف ہے نا اہل ہوں شال اور دوشالوں کے لئے
ہو پھٹی چادر نہ تیرے نونہالوں کے لئے

کوٹ بھی ہے تیرے ہاں اغیار کو پتلون بھی
گو نہیں ہے تیرے بچوں کے بدن میں خون بھی

تیرے مہمانوں کو سوء ہضم پر خوری سے ہے
تو نحیف و ناتواں فاقوں کی کمزوری سے ہے

تیرے اپنے جھونپڑوں کیواسطے محتاج ہیں
دوسروں کو بلڈنگیں ہیں کوٹھیاں ہیں لاج ہیں

کون کہہ سکتا ہی تجھکو دیکھکر دنیا میں آج　　تو وہی ہی جس نے عالم سے لیا صدیوں خراج

بحر و بر پہ رعبِ عظمت تھا ترا چھایا ہوا　　سامنے تیری جو آتا تھا وہ تھرایا ہوا

تھے یلانِ وقت تیری زورِ بازو سے خجل　　سامنے تیرے لرز جاتے تھے شیروں کے بھی دل

ناوک اندازوں نے کھائی تھی تری آگے شکست　　کر دیئے تھے حوصلے تو نے کمانداروں کے پست

سامنے تیرے اٹھا سکتا کوئی تلوار کیا　　تیرا لوہا مانتے تھے روم کیا تاتار کیا

آج تو ہی اور خاکِ نکبت و ادبار ہے　　جو ہی وہ تیرے کچلنے کے لیئے تیار ہے

کیا ہوئی تیری حمیت کیا ہوئی غیرت تری　　کیوں یہ بے حسی ہے آخر کیوں ہے یہ حالت تری

پڑ گیا ہے سرد کیوں فرق آگیا ہی جوش میں　　جا رہا ہی خود بخود کیوں موت کی آغوش میں

وقت ہی اب بھی سنبھل جا ورنہ پھر پچتائیگا۔
یہ جمودِ مستقل تیرا تجھے کھا جائے گا

"نفاق"

ای نفاق اے پستی و تخریب کے سرمایہ دار　　اے بلائے جان اقبال و عروج و اقتدار

ای مجسم غفلت و بے حسی و سکر و جمود　　اے سراپا نخوت و خود بینی و کبر و نمود

آج دنیا میں تری سفاکیوں کی دھوم ہے — اک زمانہ تیرا کشتہ ہے ترا مظلوم ہے

کارفرما ہیں ہر جانب تری کیا دیاں — ساتھ رہتی ہیں ترے ویرانیاں بربادیاں

ضرب الامثال جہاں ہے مردم آزاری تری — بڑھ کے چنگیز و ہلاکو سے ہے خونخواری تری

شور تھا جن کی توانائی کا شرق و غرب میں — ہوگئے شل پا و دست اُن کے تری اک ضرب میں

جرأت و زور آوری و مردمی میں تھے جو فرد — ایک ہی ہلّے میں تیرے رہ گئے سب ہو کے گرد

دست بستہ سامنے تھے جن کے اقبال و ظفر — وہ بھی کہہ اٹھے ہیں تیرے ہاتھ سے این المفر

جن کی ہیبت سے زمیں لگتی تھی اکثر کانپنے — تیرے آگے یوں ہیں جیسے ڈس لیا ہو سانپ نے

تھے جو دنیا میں بڑے روشن دل و روشن دماغ — کر دیا گُل تو نے سب کے علم و دانش کا چراغ

سنگ خارا آنچ سے تیری پگھل کر رہ گیا — پڑ کے تیری آگ میں فولاد گل کر رہ گیا

اک ذرا تیری جہاں فرماں روائی ہوگئی — امن و اطمینان کی بالکل صفائی ہوگئی

الامان والحذر تیری توجہ کی نگاہ — عرصۂ مہر و اخوت بھی ہے گویا رزم گاہ

کیا مروت کیا محبت کیا ترحم کیا حیا — تو جہاں ہے واں نہیں کچھ قتل و غارت کے سوا

تجھ میں ہمدردی نہیں تجھ میں رواداری نہیں — تیرے ہاں جز قہر و تذلیل و دل آزاری نہیں

پھیر دی تو نے جدھر اپنی عنانِ التفات — کر دیا برہم اشارے میں نظام کائنات

کوہ کو تو نے بنا کر کاہ بے قیمت کیا — عرش کو تو نے بنا کر فرش بے وقعت کیا

تو نے شہ زوری کو کمزوری سے دلوائی شکست   تیری شہ پا کر کیا شیروں کو روباہوں نے پست

خائف و پسپا شغالوں نے پلنگوں کو کیا   مچھلیوں کو لقمہ ہائے تر نہنگوں نے کیا

جو فلک پر تھے زمیں پر تو نے لا ڈالا انھیں   تیری باتوں میں جو آئے تو نے کھا ڈالا انھیں

توڑ کر مسمار تو نے کوہساروں کو کیا   چیز خاکی پر افتادہ ستاروں کو کیا

جب کہیں تیرا اک ادنیٰ سا اشارہ ہو گیا   دامنِ اقبال و عظمت پارہ پارہ ہو گیا

آہ وہ بدبخت و ناہموار و ناقص سرزمیں   آج ہی جو بدنصیبی سے ترے زیرِ نگیں

یوں تو اک دنیا تری پالیسیوں کی ہے شکار   ہاں مگر ہندوستاں پر ہے ترا مخصوص پیار

مہربانی جس قدر تیری ہے اس کنگال پر   ساری دنیا میں نہیں شاید کسی کے حال پر

تیرے سب اخلاق تیری سب کمالات و ہنر   ختم ہیں اس بینوا و خستہ و دلریش پر

ہے یہ سب تیرے ہی لطفِ بے نہایت کا ظہور   ہم جو اب تک ہیں نعیمِ امن و آزادی سے دور

یہ ترا ہی لطف ہی احسان ہے ایثار ہے   طوقِ محکومی جو یوں اپنے گلے کا ہار ہے

یہ تری چشمِ عنایت ہی کی برکت ہے بڑی   روز بڑھ جاتی ہے اک زنجیرِ نکبت میں کڑی

آہ اے ہندوستاں اے ذلت و خواری پسند   مجمرِ ناچاقی و بغض و عداوت کے سپند

آہ اے محرومِ نعمائے رفاق و اتحاد   بندۂ سرو فریب و مکر و تزویر و فساد

کاٹنے والے خود اپنے ہاتھ سے اپنا گلا   کودنے والے دہکتی آگ میں خود بر ملا

قید رکھیگا تجھے کب تک گرفتاری کا شوق ۔۔۔ کب تری گردن سے اُترے گا غلامی کا یہ طوق

کب ترے تقدیرِ نامسعود پلٹا کھائیگی ۔۔۔ جسمِ مردہ میں تری کب روح تازہ آئیگی

تجھ پہ کب ہوگا نزولِ رحمتِ پروردگار ۔۔۔ کب ترے باغ خزاں دیدہ میں آئیگی بہار

خواب سے چونکے گا کب آئیگا کب تک ہوش میں ۔۔۔ تا بکے سویا کرے گا موت کے آغوش میں

اُٹھ زمانہ میں نظر دوڑا ہر اک کا حال دیکھ ۔۔۔ اپنی پستی دیکھ اپنا ضعف و اضمحلال دیکھ

اپنی بیماری و ناچاری و ناداری کو دیکھ ۔۔۔ اپنی بے زوری کو اپنی ذلت و خواری کو دیکھ

اپنے ادبار و مذلت کا سبب معلوم کر ۔۔۔ ہوتی جاتی ہے یہ کیوں حالت تری زار و بتر

جب تعمق کی نظر کو کام فرمائے گا تو ۔۔۔ کارفرما پھوٹ ہی کو ہر جگہ پائے گا تو

پھوٹ ہی نے دین و دنیا سے یہ کھویا ہے تجھے ۔۔۔ بس یہی اک چیز ہے جس نے ڈبویا ہے تجھے

آگیا ہے وقت اب اس کمبخت کو پامال کر ۔۔۔ ملک سے جس طرح بھی ہو اس کا استیصال کر

اُٹھ اور اب اس نامبارک پیڑ کی جڑ کاٹ دے ۔۔۔ مرد ہے تو اس خلیجِ کشمکش کو پاٹ دے

یہ اگر ہے ملک میں تو فارغ البالی کہاں

امن و آزادی کہاں آرام و خوشحالی کہاں

ہماری آزادی

یہ واویلا ہے کیوں کس واسطے ہیں لوگ فریادی
اُٹھائی جا رہی ہے کیوں عبث تحریکِ آزادی
یہ آزادی جو حاصل ہو ہمیں آخر یہ کیا کم ہے
اب اس کے بعد کیا رونا ہے اب کس بات کا غم ہے
جو سچ پوچھو تو ہم آزاد و خود مختار ہیں اب بھی
باطمینان زیرِ سایۂ سرکار ہیں اب بھی
میسر ہیں ہمیں سب راحتیں عیش و مسرت کی
گذرتی ہیں بڑے آرام سے گھڑیاں فراغت کی
کہیں بیٹھیں کہیں اُٹھیں کہیں آئیں کہیں جائیں
یہ ناممکن کہ اپنے پر کسی کو معترض پائیں

دھڑلے سے شرابیں ہم کو پینے کی اجازت ہے
ہمیں دروازۂ میخانہ گویا بابِ جنت ہے

نہ سینڈھی اور تاڑی سر ہے کوئی روکنے والا
نہ کوئی سُلفہ و بنگ و چرس پڑو سکنے والا
کھلے بندوں سرِ بازار کرتے ہیں ہم اوباشی
ہمیں لیسنس دیتی ہے حکومت بہرِ عیاشی
جو اہم کھیل سکتے ہیں باطمینان روحانی
ہمارے "پھڑ" ہیں قائم سب پولیس کی زیر نگرانی
نہ ہی سٹے پہ ہم کو کرنے والا کوئی فہمائش
نہ ہم کو لاٹری ہی ڈالنے میں ہے کوئی کاہش
حکومت خود ہمارے حوصلے اکثر بڑھاتی ہے
ہمارے ساتھ برج اور ریس میں بازی لگاتی ہے
پئے تفریح ہیں عریاں کلب احباب ہیں قائم
جہاں کوسوں نہیں خوف و خیالِ لومتِ لائم
جہاں شرم و حجاب و غیرت و عفت گنوارپن ہے
جہاں آوارگی و گمرہی کا نام فیشن ہے
جہاں پردے کا سسٹم باعثِ تخریب ہے گویا

جہاں عصمت فروشی باعثِ تہذیب ہے گویا
یہ سب کچھ دیکھتی ہے اور حکومت چپ ہے بیچاری
مخل ہو کر وہ ڈالے کیوں اس آزادی میں دشواری

سینما ملک میں چاروں طرف پھیلے ہیں کثرت سے
فضائے ہند ہے معمور جذباتِ محبت سے
برہنہ رقص، عریاں ولولے، بے باک تصویریں
ہمارے دل بہلنے کی ہیں کیا دلچسپ تدبیریں
جوانانِ وطن تھا فرض جن کو صف شکن بننا
وہ اک شیریں کی خاطر چاہتے ہیں کوہ کن بننا
نہ ہم کو دین کا غم ہے نہ کچھ دنیا کی پروا ہے
بس اب امپیریل ہے راکسی ہے یا منروا ہے
حکومت کو ان احساسات میں ہے ہم سے ہمدردی
تو کیوں ڈٹ کر نہ دیں اس راہ میں ہم دادِ نامردی

امور مذہبی میں ہے ہمیں آزادی کامل
رواداری کا کوئی شائبہ جس میں نہیں شامل
منائے جاتے ہیں تیوہار سنگینوں کے پہرے میں
عجب اک شان ہوتی ہے محرم اور دسہرے میں
حقوقِ باہمی کی ہے بہت ہی سخت نگرانی
نہ بج سکتا ہے باجہ اور نہ رک سکتی ہے قربانی
حکومت کی حمایت کا کھلا ہے سب پہ دروازہ
اُسے اس باب میں تشویش ہے زائد از اندازہ
مقدر سے یہ سب آزادیاں حاصل ہیں جب ہم کو
پریشاں کس لئے کرتا ہے لیڈر بے سبب ہم کو

تعصب

اے تعصب ای عدوے امن و اطمینانِ خلق
اے وبالِ ملک و ملت ای بلائے جانِ خلق

اے اسیرِ بند و جہل و حرص و بغض و انتقام
اے غلام ابن غلام ابن غلام ابن غلام

تیری ہاتھوں بہ رہا ہی کس قدر جانوں کا خون
تیری گردن پر ہی لاتعداد ارمانوں کا خون

تونے جس پر پیار سے اپنی نگاہیں ڈال دیں
موت نے اسکے گلے میں آکے باہیں ڈال دیں

تونے امرت پر نگہ ڈالی تو وہ بِس ہوگیا
کردیا مَس تونے سونے کو تو وہ مِس ہوگیا

جس بھری بستی کو تاکا اُسکو ویراں کردیا
جس گلستاں پر نظر ڈالی بیاباں کردیا

تیرے نغمے جس جگہ گرمِ ترنم ہو گئے
خشک دریا ہوگئے پایاب قلزم ہوگئے

تونے جس سے دوستی کی کردیا اُسکو ہلاک
خاک اسکو کردیا تونے، کیا جس سے تپاک

سحر والوں پر تری آنکھوں نے افسوں کردیا
تیرے سائے نے خردمندوں کو مجنوں کردیا

تھے جو احساسِ مجسّم سب وہ پتھر ہوگئے
گوشِ فہم و عقل تیرے سامنے گُر ہوگئے

ناقص و کامل برابر ہیں تری سرکار میں
کوڑیوں کے مول ہیں ہیرے تری بازار میں

تو یہ کیا واقف پریت اور پریم کیلئے پیار کیا
تیرے ہاں اخلاق کیا، اخلاص کیا ایثار کیا

تیری آنکھوں میں مروّت اور حیا کچھ بھی نہیں
تیرے ہاں تحقیر و نفرت کے سوا کچھ بھی نہیں

راج میں تیرے رواداری و ہمدردی کہاں
آہ وہ خطہ کہ جس خطہ کا ہو تو حکمراں

بھیڑیوں سے بھی زیادہ ہے تری درندگی
تنگ ہے تیرے سبب سے عافیت پر زندگی

تونے دم میں قوم کی محنت کو غارت کردیا
کام صدیوں کا اشاروں میں اکارت کردیا

تیرے ہاتھوں یوں تو اِک عالم ہے برباد و تباہ
سرزمینِ ہند ہے لیکن تری آماجگاہ

پوچھ کچھ تیری جو دنیا میں نہ ہو کچھ غم نہیں — قدرداں تیرے ابھی ہندوستاں میں کم نہیں
تجھکو کیا پروا زمانہ دے تجھے گھر سے نکال — ہو نہ ہندستاں میں تیرے چاہنے والوں کا کال
تیرا جادو جو نہ چلتا ہو زمانہ میں کہیں — مطمئن رہ تو کہ چل جائیگا بے کھٹکے یہیں
ڈر تجھے کس کا مزے کر چین کر، آرام کر — کام لے تدبیر و حکمت سے اور اپنا کام کر
روپ تیری نت انوکھی رنگ تیری نت نئے — کام تیری نت نرالی ڈھنگ تیرے نت نئے
جلوہ فرما ہے کہیں تو جبہ و دستار میں — ہے کہیں آسن جمائے قشقہ و زنار میں
ہے کہیں واعظ، کہیں صوفی، کہیں تو مولوی — ہے کہیں سادھو کہیں پنڈت کہیں تو جوتشی
ہے کہیں گرم عمل تبلیغ کے کاموں کے ساتھ — کارفرما ہے کہیں شدھی کی ہنگاموں کے ساتھ
دھیان برہما کا کسی کو اور نہ اب یاد الست — پوچھتے ہیں سب تجھی کیا بت شکن کیا بت پرست
کوئی ہندو اب نہیں کوئی مسلماں اب نہیں — سب کا ایماں ایک تو ہے اور ایماں اب نہیں
ایشیا! ای بدنصیب، ای نامبارک ایشیا! — سن کہ یہ عرش الٰہی سے ہے آتی کیا صدا

قسمتِ اقوام کا اب فیصلہ ہونے کو ہے
ایک ملک ایسا یہاں ہے جو فنا ہونے کو ہے

تلقینِ قفس

ہم قفس رو نہ بہت شکوۂ صیاد نہ کر
آبروئے حوصلۂ ضبط کی برباد نہ کر

میں سمجھتا ہوں کہ تو عیشِ گلستاں سے ہے دور
تجھکو اس قیدِ بلا سے ہے رہائی منظور

پچھلی آزادیوں کا دھیان جب آتا ہے تجھے
ہجرِ احبابِ چمن سخت ستاتا ہے تجھے

چہچہے یاد جب آتے ہیں گلستاں کے تجھے
خواب آتے ہیں نظر سنبل و ریحاں کے تجھے

تھا کبھی پھولوں کے جھرمٹ میں نشیمن تیرا
اور اب خانۂ صیاد ہے مسکن تیرا

شاخِ گل پہ کبھی کٹتی تھی جوانی تیری
اب ہے محبوسِ قفس زمزمہ خوانی تیری

سب یہ سچ سب یہ بجا سب یہ سہی سب یہ درست
پھر بھی بیکار ہے اس طرح سے رہنا ترا سست

میں نے مانا کہ قفس تیرے لیئے ہے جنجال
پھر بھی جو امن یہاں ہے وہ ہے گلشن میں محال

زندگی خاک تری باغ میں ہوتی تھی بسر
نت نیا رنج نیا غم تھا تجھے آٹھ پہر

روز پڑتا تھا تجھے اک نہ اک افتاد سے کام
جورِ گلچیں سے کبھی فطرتِ صیاد سے کام

خوفِ شاہیں سے نکلتی تھی نہ آواز تری
ہر گھڑی تاک میں تھا چنگلِ شہباز تری

کسی گوشے میں لگائے تھا کوئی جال کہیں
کوئی بیٹھا تھا کترنے کو پر و بال کہیں

آشیانہ تھا ترا وقف اجڑنے کے لیئے
جسمِ نازک پہ ترے تیر تھے پڑنے کے لیئے

کبھی صرصر کبھی آندھی سے تھا پالا تجھکو — کوئی جز برق نہ تھا پوچھنے والا تجھکو

پیٹ کی فکر میں عالم تھا پریشانی کا — کبھی دانے کا تھا خلجان کبھی پانی کا

رات دن کام تھا محنت سے مشقت سے تجھے — کوئی مطلب ہی نہ تھا عیشِ فراغت سے تجھے

غور کر غور کہ یہ بھی کوئی آزادی ہے — مجھے حیرت ہے کہ تو کس لئے فریادی ہے

اب یہاں دیکھ کہ ہے کس قدر آرام سے تو — مطمئن کلفت صیاد و غمِ دام سے تو

نہ یہاں برق کا کھٹکا نہ خزاں کی کاہش — چین ہے گوشۂ عزلت میں ہے بے رنجِ خلش

باد و باراں کے مصائب کی تجھے فکر نہیں — صرصر و خار کے آلام کا یاں ذکر نہیں

نہ یہاں جال کا دھڑکا ہے نہ شہباز کا ڈر — نہ یہاں تیر و کمان و قدر انداز کا ڈر

دانے دلنے کیلئے اب نہیں زحمت تجھکو — بن گیا ہے قفس اک آیۂ رحمت تجھکو

نہ مشقت ہے نہ محنت ہے نہ حیرانی ہے — پھر بھی نالاں ہے جو تو یہ تری نادانی ہے

شکر کر میری طرح کاٹ دے آرام سے دن

ورنہ گذریں گے بہت کلفت و آلام سے دن

جوانانِ وطن سے خطاب

جوانانِ وطن بس خواب سے بیدار ہو جاؤ — بہت غافل رہے اٹھو بس اب ہشیار ہو جاؤ

یہ روزِ بد تمہاری غفلتوں ہی نے دکھایا ہے — بس اب کروٹ بدلنے کے لئے تیار ہو جاؤ
گئے وہ دن کہ تھا جب اختلافِ مذہب و ملت — بس اب اِک دوسرے کے مونس و غمخوار ہو جاؤ
بس اب باہم گر سیکھو رواداری و ہمدردی — بس اب آپس میں سب کے دوست سب کے یار ہو جاؤ
دکھا دو اپنی قوت اپنے دشمن کے مقابل میں — وہ پتھر ہے تو تم اک آہنی دیوار ہو جاؤ
فنا کر دو غرور و عُجب و خود بینی کو دنیا سے — سراپائے خلوص و ہمت و ایثار ہو جاؤ
مٹا ڈالو خودی کو خود سری کو خود پرستی کو — خدا کا نام لو مومن بنو دیں دار ہو جاؤ
یہ کس نے کہدیا تھا تم باایں زور و توانائی — اپاہج بن کے بیٹھو اور یوں بے کار ہو جاؤ
حمیت نے تمہاری یہ گوارا کر لیا کیوں کر — کہ تم عالم میں یوں پست و زبون و زار ہو جاؤ
تمہاری غیرتِ فطری نے یہ کیونکر اجازت دی — کہ تم اِسطرح رسوا و ذلیل و خوار ہو جاؤ
تمہاری حریت کیشی نے تم کو کس طرح چھوڑا — کہ تم یوں پابندِ فطرتِ اغیار ہو جاؤ
تمہاری عقل و دانش کا نہ تھا یہ مقتضا ہرگز — کہ تم یوں نشۂ پندار میں سرشار ہو جاؤ
تمہاری عاقبت بینی نے کیوں تمکو یہ رخصت دی — کہ یوں محوِ فریبِ سبحہ و زنار ہو جاؤ
حیاتِ قوم و ملت منحصر ہی سر کٹانے پر — جو ہو جینا تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ
فریب و مکر و عیاری کی یورش ہے زمانہ پر — اُٹھو حق و صداقت کے علمبردار ہو جاؤ
ابھی کر دو گے تم سطحِ بلند و پست کو یکساں — بس اتنا ہے کہ پہلے خود ذرا ہموار ہو جاؤ

مٹا دو گی ابھی دم میں نجاست کفرِ باطل کی ضرورت ہے کہ اہلِ حق کے جانبدار ہو جاؤ
صنم خانہ غلامی اور محکومی کا ڈھا دو گے بتوں سے دیر میں آمادۂ پیکار ہو جاؤ
جو چاہو گے وہ ہو جائے گا جو چاہو گے کر لو گے
مگر یہ ہے کہ پہلے متحد اک بار ہو جاؤ

شدھی و تبلیغ

چرخِ ظالم جس کی فطرت میں ہے تبلیغ نفاق
دیکھ سکتا تھا بھلا کب ہند کا یہ اتفاق
یک بیک آئی صدا شملے سے ایسی کان میں
آ گئیں سب ڈاڑھیاں اور چوٹیاں ہیجان میں
جم گئے میدان میں ہندو و مسلم کے پرے
سب دکھانے لگ گئے بڑھ بڑھ کے اپنے پینترے
اک طرف شدھی کے متوالے بھجن گاتے ہوئے
ایک جانب پرچمِ تبلیغ لہراتے ہوئے

ایک جانب دھرم رکشک، دیش سیوک پوجیہ پاو
یعنی پنڈت جی سراپا جہل و سرتاپا فساد
ایک جانب حامیِ اسلام و شرع و ملک و دیں
یعنی مولانائے قبلہ حق کُش و باطل گزیں
اک طرف گئو متر لاگئی، دھوپ اور پانی کا زور
اِک طرف ختنوں کے ساماں اور مسلمانی کا زور
ایک ہُلّڑ مچ گیا اِک شور برپا ہو گیا
یاالٰہی یہ ابھی کیا تھا ابھی کیا ہو گیا
ہو گئی کشتِ امان و عافیت یک سر تباہ
آ گئے بغض و حسد جہل و تعصب رو براہ
مُلک میں تھے جو مُسلّم حامیانِ اتحاد
لاٹھیاں لے لے کے میداں میں ہیں سرگرم جہاد
تھے جو مشہورِ زمانہ مصلحِ مُلک و وطن
ہیں وہی حق کے مقابل آج مصروف بزن
لوگ نادانی سے سمجھے تھے جنھیں احرارِ مُلک

آج ثابت ہو رہے ہیں سب وہی غدارِ ملک
آہ اے ہندوستاں اے بدنصیب اے نامراد
تیری قسمت میں نہیں عیش و وفاق و اتحاد
یہ ترے پیارے جنھیں پیار اس قدر کرتا ہے تو
جن کے ایثار و خلوص و صدق پر مرتا ہے تو
آستیں کے سانپ ہیں در پے ہیں تیری جان کے
ہیں یہ دشمن تیری حُرمت کے ترے ایمان کے
تو جنھیں اپنا سمجھتا ہے یہ بیگانے ہیں سب
پیٹ کے کتّے ہیں لاعقل ہیں دیوانے ہیں سب
دیوتا تیرے نگلنے کو ہیں مُنھ کھولے ہوئے
تیرے سیوک تیرے سر پر ہیں تبر تولے ہوئے
میں یہ ڈرتا ہوں کہیں برباد ہو جائے نہ تو،
نذرِ جہل و فتنہ و افساد ہو جائے نہ تو،
وقت ہے اب بھی ذرا کہہ دے انھیں للکار کے
ورنہ کھا جائیں گے بھوت ان کو سمندر پار کے

آئینِ جدید

ہند کے سر پر مسلّط ہو گیا آئینِ نو
مکر و استبداد کی چوٹی سے فرما کر نزول

مغربی کاغذ تراشوں نے کم و بیش اک صدی
صرف کی ہے تب بنا پایا ہے یہ خوشرنگ پھول

یہ وہ نسخہ ہے جو بیمارِ توانائی کے لیئے
رہنمائی کر سکیگا تا بہ سرحدِ قبول

یہ وہ چشمہ ہے کہ جس کے سامنے آبِ فرات
اپنی خِسّت اہلِ حق کیواسطے جائیگا بھول

جان بل صاحب ہیں کتنے شکریہ کے مستحق
دے دیا ہندوستانی وحشیوں کو ہوم رول

اُن کا فرمانا اگر سچ ہے تو سچ کہتے ہیں وہ
یہ وہ نعمت ہے بہت دشوار تھا جس کا حصول

ہے حکومت کی یہ فیاضی بہت ہی شاندار
اس رعایا پروری پر دنگ ہے عقلِ مغول

ان کو حیرت ہے کہ اتنی خوبیوں کے باوجود
ملک والے کس لیئے ہیں اسکے اجرا سے ملول

کس لیئے دھرتے ہیں اسکے نام سے کانوں پہ ہاتھ
کیوں نہیں کرتے بلا چون و چرا اس کو قبول

خیر مقدم ہے کہیں اس کا سیہ پرچم کے ساتھ
ہے کہیں ہڑتال کی صورت میں اظہارِ عدول

ہے کہیں جلسوں میں پاس اسکے لیئے لعنت کا ووٹ
ہے جلوسوں میں کسی جا اس کے سر پر خاک دھول

کوئی دیتا ہے اسے تشبیہ خارستان سے
کوئی کہتا ہے اسے باغِ سیاست کا ببول

میں یہ کہتا ہوں یہ ہنگامۂ بحث و نزاع
دیکھیے چشمِ حقیقت سے تو ہے بالکل فضول

ملک والوں سے حکومت کی ہے ایک دل لگی　　آج اسکو حق بھی ہے اس کا کہ ہے اپریل فول

طالب آزادی سے خطاب

طالب آزادی کا ہے ناداں تو اس کے ڈھنگ سیکھ
گڑگڑا کر ہاتھ پھیلاتا ہے کیا یہ بھی ہے بھیکھ
تو نے تو اسکو بنا رکھا ہے اک بچوں کا کھیل
یوں منڈھے چڑھتے کہیں دیکھی ہے دنیا میں یہ بیل
یوں ہی مل جاتی خوشامد سے جو یہ جنس گراں
کیوں بہا کرتیں زمانے میں لہو کی ندیاں
کوئی خطرہ کوئی ڈر ہوتا اگر اس راہ میں
بھینٹ کیوں چڑھتے سر آزادی کی قرباں گاہ میں
دیکھ ہاں دیکھ! اے جمود و سکر و غفلت کے غلام
جنگ آزادی میں باتوں سے کہیں چلتا ہے کام
بس وہی ہوتا ہے کچھ اس معرکے میں کامیاب

موت جس کی زندگی ہے جاں کنی جس کا شباب
ہے یہ حق اُس کا جو کر سکتا ہے انگاروں پہ رقص
یہ وہی پاتا ہے جو کرتا ہے تلواروں پہ رقص
جسم جس کا دھوپ میں ہوتا ہے تپنے کے لئے
جس کا سر نیزے پہ ہوتا ہے تڑپنے کے لئے
مغز سر جس کا ابلتا ہے کڑکتی دیگ میں
جس کا لاشہ کروٹیں لیتا ہے جلتی ریگ میں
جس کا سینہ خنجر و پیکاں کا جولاں گاہ ہے
جس کے پہلو میں لپکتی بجلیوں کو راہ ہے
حلق میں پھانسی کا پھندا ہے جسے معراج روح
دار کا تختہ ہے جس کے واسطے بام فتوح
ہاں یہ نعمت ہے بس ایسے ہی جوانمردوں کا حق
تو بتا کس زعمِ باطل پر ہے اس کا مستحق؟
ہوتی گر تیری طرح دنیا طلبگارِ سکوں
برف ہو کر جم چکا ہوتا رگِ غیرت میں خوں

ہر طرف ہوتی غلامی ہی غلامی دھر میں
اک زمانہ مبتلا ہوتا حسد کے قہر میں
چھائی ہوتی جہل و ظلمت کی نحوست ہر طرف
وحشت و ادبار کی ہوتی حکومت ہر طرف
کیوں جہاں ہوتا منوّر علم کے انوار سے
کیوں صدائے زندگی آتی در و دیوار سے
عظمت و اخلاق سے ہوتی زمیں پُرنور کیوں
ملک ہوتے حکمت و سائنس سے معمور کیوں
دور ہوتا جہل و کذب و ظلمت و طغیان کا
ساری دنیا اک نمونہ ہوتی ہندوستان کا

بسنت

بسنت آیا ہی ہر سو دورِ عیش و کامرانی ہے
جدھر دیکھو مسرت ہی خوشی ہی شادمانی ہے
ہر اک پتہ ہر اک گل محوِ آرائش ہی گلشن میں
عنادل نعرہ زن ہیں قمریوں میں نغمہ خوانی ہے

بہم دیگر مبارکباد کا غل ہے احبا میں
کہیں جلسہ کہیں دور شراب ارغوانی ہے

مگر یہ سب مسرّت اور خوشی ارباب ظاہر کی
نگاہ دوربیں میں اک ہلاکت کی نشانی ہے

جنہیں ہے کچھ بھی ہندوستان کی حالت کا اندازہ
انہیں یہ سب سرور و کیف وجہ سرگرانی ہے

ہمارے ملک کی بدقسمتی اب اور کیا ہوگی
کہ اسّی فی صدی کو یاں نہ دانہ ہے نہ پانی ہے

کروڑوں آدمی ہر سال مرجاتے ہیں فاقوں سے
پھر اس پر کثرت امراض قہر آسمانی ہے

کبھی نغمے یہاں تھے عیش کے مستی کے خوشیوں کے
مگر اب تو جدھر سنئے صدائے نوحہ خوانی ہے

کوئی گھر بھی اگر ڈھونڈو تو نکلے گا نہ یاں ہرگز
جہاں اصلی مسرت اور حقیقی شادمانی ہے

سنا ہے ہو رہا ہے اہتمام جبلی شاہی
یہ گویا دوسری ہم پر بلائے ناگہانی ہے

یہاں روٹی نہیں ہے پیٹ کو مرتے ہیں فاقوں سے
وہاں چندوں سے ان کو دوسری دنیا بسانی ہے

یہاں اچھی طرح پانی بھی پینے کو نہیں ملتا
وہاں وسکی و وائٹ ہارس کی ندی بہانی ہے

یہاں ہے جسم میں رنج و الم سے خون بھی عنقا
وہاں مدنظر رخسار کی سرخی دکھانی ہے

یہاں ثابت لنگوٹی بھی نہیں ہے جسم پر اپنے
وہاں ڈھاک انکو اپنی جامہ زیبی کی بٹھانی ہے

نہ معلوم اس عذاب دائمی سے کب رہا ہونگے
حکومت ہے خداوندا کہ یہ چنگیز خانی ہے

اسمبلی کا الکشن

لیجسلیٹو الکشن کی ہے ہر سو گرم بازاری
اسی نقطے پہ کھنچکر آگئی ہیں قوتیں ساری

فضائے ہند میں ہنگامہ برپا ہے قیامت کا
جسے دیکھو مرقع بن رہا ہے یاس و حسرت کا

یہی چرچا یہی مذکور ہر اک کی زباں پر ہے
زمیں پر ہے وہ غوغا شور جس کا آسماں پر ہے

دو رویہ ہیں صفیں آراستہ مدِ مقابل میں
الکشن کیا ہے خونیں معرکہ ہے حق و باطل میں

ادھر ہے کانگریس بے یار و بے غمخوار و دیاؔ
زمانہ کی نگاہوں میں کوئی جس کی نہیں یاور

حکومت کی ستائی، اہل سرمایہ کی ٹھکرائی
نہ زور و زر نہ جس کے پاس کچھ زور و توانائی

پریشاں خاطر و آشفتہ حال و زار و افسردہ
شکستہ، رنجیدہ، ژولیدہ یعنی ظاہرا مردہ

حوادث اور مصائب ہمدم و ہمراز ہیں جس کے
غم و اندوہ و آزار و الم دمساز ہیں جس کے

لکھی ہے قید و بند و ابتلا جس کے مقدر میں
کہیں جس کے لئے امن نہیں ہندوستاں بھر میں

مگر اس کے فدائی گو وہ ہیں بے انتہا خستہ
کسی حالت میں ہوں ہیں اسکی خدمت پر کمر بستہ

مصیبت سے پریشاں بھوکے پیاسے ٹھنڈ کی مارے
برہنہ جسم ننگے پاؤں محنت سے تھکے ہارے

نہ کمبل ہے نہ چادر ہے نہ تکیہ اور بچھونا ہے
نہ اچھی طرح کھانا ہے نہ پوری نیند سونا ہے

یوں ہی چوبیس گھنٹے دوڑتے انکو گذرتی ہیں
مشقت سے ہراساں ہیں نہ وہ محنت سے ڈرتے ہیں

لئے پھرتا ہو درد جذبۂ حبِّ وطن ان کو
لگی ہو دیش کو اُدھار کرنے کی لگن اُن کو

یہی دھن ہو کہ زنجیرِ غلامی اس کی کٹ جائے
کوئی ایسا جتن ہو ملک کی قسمت پلٹ جائے

اگرچہ سادہ و بیرنگ ہو طرزِ بیاں ان کی
مگر لبریز ہے درد و اثر سے داستاں ان کی

زباں ہو گرچہ بالکل ٹھیٹھ لہجہ بھی ہو دہقانی
مگر دل میں اُتر جاتی ہے بات ان کی بآسانی

نمائندہ وہ ایسا چاہتے ہیں ملک والوں کا
جسے معلوم ہو دکھ درد بھی کچھ خستہ حالوں کا

جسے کچھ رحم ہو ان بیکس و مفلس کسانوں پر
مصیبت ہی مصیبت ہو سدا جن بے زبانوں پر

جو دنیا کے ہر اک آرام سے محروم رہتے ہیں
ہمیشہ فکرِ قرض و سود میں مغموم رہتے ہیں

ہیں جن کی آبرو بالکل زمینداروں کے پنجے میں
کھچے ہیں جو لگان اور آبپاشی کے شکنجے میں

ترس جن کو ہو کچھ ان جھونپڑوں کے رہنے والوں پر
کہ ہو چھائی ہوئی فاقوں کی زردی جن کے گالوں پر

لنگوٹی بھی نہیں جنکو میسر تن چھپانے کو
کہاں کی اوڑھنے کو فرد اور توشک بچھانے کو

جسے احساس ہو کچھ ہند کی موجودہ پستی کا
جسے غم ہو کچھ اہلِ ملک کی فرقہ پرستی کا

جو یہ جانے کہ کیا کھاتے ہیں کیا سب لوگ پیتے ہیں
جو یہ جانے کہ بھوکوں مرنے والے کیسے جیتے ہیں

جو یہ جانے کہ جاڑے تاپ کر کیونکر گزرتے ہیں
جو یہ سمجھے کہ کتنے آدمی بے موت مرتے ہیں

یہی تبلیغ ہو ان کی یہی وہ سب سے کہتے ہیں
اسی کیوا سطے ہر قسم کی تکلیف سہتے ہیں

بظاہر ہر جگہ مفقود ہیں آسانیاں ان کو
بنا رکھا ہو لیکن عزم نے کوہِ گراں ان کو

نہ ذلت سے ہیں خائف اور نہ وہ عزت کے طالب ہیں
نہ مسرور مناقب ہیں نہ مغموم مثالب ہیں ۔

نہ ان میں ہیکڑی ہے اور نہ غصہ ہے نہ لالچ ہے
بس اچھے رہنما کی جستجو ہے اک یہی دھن ہے

لگے ہوں کتنے ہی ڈھیر ان کے آگے گوہر و زر کے
بھلا ممکن ہے کوئی دیکھ تو جائے نظر بھر کے

یہی جذبہ ہے سب میں ان کے کٹوا لیں سر ہوں یا در کر
پہنچنا چاہتے ہیں منزل مقصد پہ مر مر کر

یہی حالت ہے ان کے ووٹروں کی بھی کہ بیچارے
چلے آتے ہیں خوش خوش اپنے اپنے گاؤں سے سارے

ضرورت انکو گاڑی کی نہ گھوڑے کی نہ موٹر کی
پیادہ پا چلے آتے ہیں جیسے فوج بے سر کی

کوئی ستو کوئی گڑ اور چنے ہمراہ لاتا ہے
کھلاتا ہے کچھ اوروں کو بھی کچھ وہ خود بھی کھاتا ہے

اگرچہ وہ ہزاروں بیچ میں لائے بھی جاتے ہیں
تشدد سے ڈرائے اور دھمکائے بھی جاتے ہیں

دئیے جاتے ہیں گرچہ سینکڑوں جھوٹے فریب ان کو
سمجھائے جاتے ہیں صدہا فراز ان کو نشیب ان کو

مگر ان کا ضمیر ان کو کہیں جانے نہیں دیتا
کسی کے ڈر کسی کے خوف میں آنے نہیں دیتا

وہ آتے ہیں یہی اپنے گھروں سے فیصلہ کر کے
کہ واپس جائیں گے ملک و وطن کا حق ادا کر کے

ادھر میداں کھچا کھچ پر ہے مسلم کنڈیڈیٹوں سے
فساد ہضم کی بو آ رہی ہے جن کے پیٹوں سے

پرستار ابتذال و معصیت کے کبر و نخوت کے
پجاری عزت طاغوت کے ، بندے حکومت کے

نہ جن کو ملک کی پروا ، نہ جن کو قوم سے مطلب
نہ مذہب سے نہ جن کو کچھ صلوٰۃ و صوم سے مطلب

نہ جن میں قابلیت ظاہر کوئی نہ علمیت
نہ کوئی دوسری ہی ملکی و قومی خصوصیت

وہ رائیں جن سے ملک و قوم بنتی اور بگڑتی ہیں　　وہ رائیں جن کے بل پر سلطنت میں پیچ پڑتے ہیں
وہی رائیں ہیں جن کا اسطرح نیلام ہوتا ہے　　سڑک پر چوک میں یوں جن کا سودا عام ہوتا ہے

کوئی کہتا ہے ووٹ ہم اپنے قصبے کو اُسے دینگے　　کہ جس سے مدرسے کیواسطے کافی رقم لیں گے
کوئی کہتا ہے موضع میں کنواں بیحد ضروری ہے　　جو تعمیر اسکی کردیگا اُسی کی بات پوری ہے
کوئی کہتا ہے بستی کی مساجد ہیں بہت خستہ　　جو بنوا دے گا ان کو صاف ہے اُس کے لیئے رستہ
کوئی کہتا ہے ووٹ اس شخص کو دلوائیگا بندہ　　جو دیگا مقبرے کے واسطے کافی ہمیں چندہ

غرض یوں بے دھڑک جو خرچ کر کے ووٹ پائیگا　　تو ظاہر ہے کہ کیسا آدمی کونسل میں جائے گا
پھر ایسا آدمی جو کچھ کرے گا وہ بھی ظاہر ہے　　کہ جو دینے میں ماہر ہے وہ لینے میں بھی ماہر ہے
جو لے سکتا ہے مول اوروں کو، کرکے سیم و زر پانی　　وہ بک سکتا ہے خود بھی غیر کے ہاتھوں بآسانی
مگر یہ تو وہ سوچے جس کے دل میں درد بھی کچھ ہو　　یہاں اپنے سے مطلب حالت اپنی قوم کی کچھ ہو
یہاں تو اس سے مطلب ہے جو مسجد اپنی بنوا دے　　پھر اسکے بعد گو دنیا کی ساری مسجدیں ڈھا دے

یہ ہے اس قوم کی ناپاک ذہنیت کا افسانہ　　کہ جس کے پاس تھا حریت آرا کا پروانہ

روپے کے بل پہ چڑایا ہے شوق اس پاک خدمت کا — کہ ینگو کونسل میں فرض ادا قومی نیابت کا
حکومت کے سہارے پر ہیں ان کی کوششیں ساری — اسی در کی خطاپوشی پہ ہے نازِ گنہگاری

خدا کے فضل سے کتنے ممبر ورکر بھی ایسے ہیں — اسی کے ساتھ ہیں جس کی گرہ میں چار پیسے ہیں
نہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہے آدمی کیسا — اسی کے تابع فرماں ہیں ان کو جو دے پیسا
نیابت قوم کی کارِ اہم ہے وہ یہ کیا جانیں — وہ اپنے پیٹ کو دیکھیں کہ بات ایمان کی مانیں
انہیں پروا نہیں گو قوم کا تختہ الٹ جائے — بس اتنا چاہیے تھوڑا سا ان کا وقت کٹ جائے
روپے کے زور سے جو کام ان سے چاہیے لیجیے — وہ کٹ پتلی ہیں سیدھا ان کو رکھیے یا الٹا دیجیے

ادھر وہ ہیں کچھ کتنے ممبروں سے بھی سوا کامل — وہ ہیں سب سے زیادہ سورۂ والشمس کے عامل
سوالِ زر وہاں ہے پرسشِ حالات سے پہلے — ضروری ہے یہی اک بات بس ہر بات سے پہلے
انھیں اپنے فرائض کا کوئی حس ہی نہیں باقی — نہ قوت ان میں ایمانی نہ جذبہ ان میں اخلاقی

سرِ بازار بکتی جا رہی ہیں قوم کی رائیں — وہی اس جنس کا مالک ہے جس کے دام بڑھ جائیں
وہ رائیں سلطنت کا مول کم ہے جن کی قیمت سے — وہ رائیں تخت بھی جو چھین سکتی ہیں حکومت سے

نمونہ ہے یہ اُن افرادِ ملت کے دماغوں کا
اُجالا تھا جہاں میں جنکی دانش کے چراغوں کا

کبھی تھا شش جہت میں غلغلہ جن کی صداقت کا
سبق دیتے تھے جو دنیا کو ایمان و دیانت کا

کبھی تھے جو علمبردار تہذیب و اخوت کے
علانیہ جو دعوے دار تھے حق کی حمایت کے

سرِ دربار شاہوں کو کبھی جو دھتکار دیتے تھے
خزانہ کیوں نہ ہو اُس پر کبھی ٹھوکر مار دیتے تھے

ہزار افسوس اُتر آئے ہیں یوں اب حق فروشی پر
کہ ایماں دم بخود ہے ان کی اس ناحق نیوشی پر

سُن اے بے وقعت و بے غیرت و خوار و زبوں مسلم
سن اے ناحق شناس و شر پسند و سرنگوں مسلم

یہ تو روتا جو ہے ہر وقت رونا اپنی پستی کا
عوض تیرے لئے ہے یہ تری باطل پرستی کا

تری قسمت کی کشتی ہے جو گردابِ تباہی میں
یہ ثمرہ ہے تری نیت کا درگاہ الٰہی میں

مسلط ہیں جو تجھ پر لعنتیں ادبار و ذلت کی
سزا ہے یہ تجھے پامالیِ احساسِ ملت کی

یہ تو ہو کر جو ٹکڑے ہو رہا ہے منتشر سب میں
یہ پاداش عمل تیرے لئے ہے درگہِ رب میں

یہ تجھکو ہے جو شکوہ اسقدر اپنے مقدر سے
یہ بدلہ ہے ترے اعمال کا اللہ کے گھر سے

یہ تجھ میں ہے جو فقدان اسقدر احساسِ ایماں کا
یہ پھل منجانب اللہ ہے ترے عصیان و طغیاں کا

غلط ہیں سب یہ شکوے جس قدر ہیں تجھکو غیروں سے
کہ خود جا کر گرا ہے تو کنوئیں میں اپنے پیروں سے

ترے ہی سب یہ ہیں کرتوت تو اب جن کو روتا ہے
ارے ناداں کیوں مفت آبرو اپنی ڈبوتا ہے

برٹش حکومت

نہ پوچھو ہم نشینو کیسی برٹش حکومت کی — بہت ہی سامعہ پرور ہے لذت اس حکایت کی
خدا کی خاص رحمت آجکل ہے مہرباں ہم پر — کہ انگلستان جیسا نیک دل ہے حکمراں ہم پر
ابھی تک تھا لٹیروں ہی سے گویا سابقہ اپنا — مگر اسکی شرافت نے تو بالکل کر لیا اپنا
ہماری حال پر اسکی یہ ہمدردی و غمخواری — حقیقت میں ہے اک مخصوص فضل ایزد باری
ہماری ہر خوشی اسکے لئے پیغام رحمت ہے — ہماری ہر پریشانی اُسے سامان زحمت ہے
ہمارے نفع و نقصاں پر ہمیشہ ہے نظر اس کی — ہمارے حق میں ہر اسکیم ہے شہد و شکر اسکی
ہمارے واسطے جس شئ میں ہے خطرات کا امکاں — ہمارے سامنے لائی نہیں جاتی کسی عنواں
ہماری منفعت کی بات کوئی پائی جاتی ہے — ہمیں مجبور کر کے وہ عمل میں لائی جاتی ہے
بہت سی ہیں وہ باتیں جو ہماری حق میں رحمت ہیں — بظاہر دیکھنے میں گرچہ وہ زحمت ہی زحمت ہیں
اگر ہم کاربند اُنپر کئے جائیں نہ سختی سے — یقیناً منحرف ہو جائیں راہِ نیک بختی سے

ہمارے واسطے تعلیم کا ہے انتظام ایسا — کہ ناممکن تھا بالکل عہد پیشیں میں نظام ایسا
ہمارے کورس کو کہتے ہیں گو سب لوگ ناموزوں — مگر ہے وہ ہمارے واسطے بے انتہا موزوں

کہ موجودہ فضائے ہند کے بالکل موافق ہو — زمانے کا جو کچھ ماحول ہے اس کے مطابق ہے

لحاظ اس بات کا اس کورس میں رہتا ہے شدت سے — کہ ہم ہٹنے نہ پائیں جادۂ خلق و شرافت سے

بُرے جذبے ہمارے دل میں پیدا ہو نہیں سکتے — بدی کا بیج ہرگز دل میں اپنے بو نہیں سکتے

سکھائی جاتی ہے تعظیم ہم کو حکمرانوں کی — بٹھائی جاتی ہے ہیبت دلوں پر پاسبانوں کی

حکومت کے خلاف اک بات بھی ہم کر نہیں سکتے — زبردستی چھری اپنے گلے پر دھر نہیں سکتے

ہم اپنے محسنوں کو کوئی دھوکا دے نہیں سکتے — یقیناً نام بھی ہم سرکشی کا لے نہیں سکتے

ہمارے دل میں آزادی کی لہریں آ نہیں سکتیں — کہ اسپیچیں ہماری روح کو گرما نہیں سکتیں

وطن کے نام پر ہم جیل خانے جا نہیں سکتے — کسی مفسد کے بھڑکانے میں ہرگز آ نہیں سکتے

حکومت سے بغاوت کا ارادہ کر نہیں سکتے — کوئی کام اپنی ہمت سے زیادہ کر نہیں سکتے

ہمیں کیا غم نہیں ہے ملک والوں کو جو روٹی بھی — ہمیں کیا گر نہیں ہے جسم پر ان کے لنگوٹی بھی

ہمیں کیا ہے اگر اہلِ وطن پامال ہوتے ہیں — ہمیں کیا فقر و فاقہ سے اگر بے حال ہوتے ہیں

ہمیں مطلب نہیں کچھ ملک سے اور ملک والوں سے — کہ نفرت ہے ہمیں اس قسم کے گندے خیالوں سے

کسی کے درد دکھ میں ہم مدد کو بڑھ نہیں سکتے — علاوہ کورس کے کوئی سبق ہم پڑھ نہیں سکتے

ابھی تک ہم نے تو بس یہ پڑھا ہے اپنے ٹیچر سے — کہ رحمت بن کے انگریز آئے ہیں اللہ کے گھر سے

اطاعت ان کی گویا حق تعالیٰ کی اطاعت ہے ۔۔۔ جو اِن سے منحرف ہے باغیِ صدق و دیانت ہے

کتابوں میں ہماری کچھ نہیں ہوتا سوا اس کے ۔۔۔ کہ سولہ سال ہی کر سکیں ہم عمر ناقص کے
نہ ہوتا ہے قوائے ذہن کا نشو و نما ان سے ۔۔۔ نہ ملتا ہے دماغی طاقتوں کو ارتقا ان سے
ہمیں ہوتی نہیں ہرگز تمیزِ نیک و بد حاصل ۔۔۔ بس اتنا ہے کہ کر لیتے ہیں کالج سے سند حاصل

کلرکی مل گئی قسمت سے گر صاحب کے دفتر میں ۔۔۔ گزر جاتی ہے اطمینان سے عمر اپنی دفتر میں
غمِ امروز و فردا کی کوئی پروا نہیں رہتی ۔۔۔ ہمیں دنیا کی کوئی فکر ہی اصلا نہیں رہتی
دماغوں میں تخیل بس یہی ہے عمر بھر اپنے ۔۔۔ مفادِ سلطنت ہر دم رہے پیشِ نظر اپنے
وفا ہو اپنا شیوہ جی حضوری ہو شعار اپنا ۔۔۔ رہے قائم حکومت کی نگاہوں میں وقار اپنا
اُتر آئے رعایا گر کبھی شر و بغاوت پر ۔۔۔ تو بے کھٹکے ہم اپنا سر فدا کر دیں حکومت پر

جو سچ پوچھو تو یہ تعلیم جس سے ملک برہم ہے ۔۔۔ حکومت کی دماغی قابلیت کا اک الہم ہے
اسی تعلیم کی برکت کے یہ آثار ہیں سارے ۔۔۔ کہ حربے مفسدانِ ملک کے بیکار ہیں سارے
دھڑلے سے حکومت ہو رہی ہے جشنِ عشرت ہے ۔۔۔ نظر کوئی ملائے کس کا دم ہے کس کی ہمت ہے

جو رہ جاتی کہیں تعلیم کی اسکیم میں خامی
حکومت ہو چکی ہوتی غریقِ چاہِ گمنامی

سیاست کے بکھیڑوں میں ہمیں ڈالا نہیں جاتا
مرض کوئی ہمارے واسطے پالا نہیں جاتا
ہمیں کیا ترک کس حالت میں ہیں ایران کیسا ہے
ہمیں کیا شام کیسا مصر اور سوڈان کیسا ہے
ہمیں کیا جرمن و امریکہ و جاپان سے مطلب
ہمیں حقّے سے مطلب ہم کو اپنے پان سے مطلب
برانڈی لے کے پینے کو یا افیون کھانے کو
بلا سے آگ لگتی ہے تو لگ جائے زمانے کو

اگر ہم ان جھمیلوں میں اُلجھ کر رہ گئے ہوتے
تو امواجِ فنا کے ساتھ کب کے بہہ گئے ہوتے

امورِ مملکت میں رائے ہم سے لی نہیں جاتی
ہمارے مشورے سے بات کوئی کی نہیں جاتی
ہمیں بیگانہ رکھا جاتا ہے ملکی مسائل سے
ہمیں محروم رکھا جاتا ہے اکثر وسائل سے
ہمارے ولولے ہوتے ہیں خاک و پائمال اکثر
ہمیں ہوتا ہے اپنی کس مپرسی کا ملال اکثر
ہمیں پابند رکھا جاتا ہے ہر بات کے اندر
مقید رہتے ہیں ہم چند ہی حالات کے اندر
ہم اپنے راز ہائے دل کسی سے کہہ نہیں سکتے
کبھی ہم مشتبہ حالت میں ہرگز رہ نہیں سکتے
بغیرِ حکم کر سکتے نہیں ہم کوئی کام اپنا
رہینِ منتِ انگریز ہے سب انتظام اپنا
کبھی ہم شور و غل کرتے بھی ہیں اپنی جہالت سے
بچا لیتی ہیں "آرڈی ننس" ہم کو ہر طوالت سے

مگر یہ ساری باتیں جو بُری معلوم ہوتی ہیں ‏ بظاہر اپنی گردن پر چھری معلوم ہوتی ہیں
نہ ہوتیں تو یقیناً ابتری ہی ابتری ہوتی
حکومت جس کو کہتے ہیں وہ کونے میں دھری ہوتی

مسلح تھے تو سب اوصاف تھے ہم میں بہائم کے ‏ قتال و خون میں تھے مشاق یا عادی جرائم کے
حکومت نے دکھائی اس جگہ وہ عقل کی تیزی ‏ نہتا کر کے ٹھنڈا کر دیا سب جوشِ خونریزی
ہم ہیں کہ امن و عافیت ہو اب شعار اپنا ‏ ہے تہذیب و تمدن کی حدوں میں کاروبار اپنا
ن اور شانتی کی چار جانب سے ہے فراوانی ‏ ہمیں حاصل ہیں اب ساری خصوصیاتِ انسانی
نہیں ہوتیں ہلاکت خیز آپس کی تکراریں ‏ ہم اپنے پاس رکھ سکتے ہیں بندوقیں نہ تلواریں
چلائے جاتے سختی سے نہ گر اس پالسی پر ہم
تو ہو جاتا نظامِ سلطنت سب درہم و برہم

مسلط ہیں حفاظت پر ہماری سخت رکھوالے ‏ پڑی ہیں ہر طرف سرحد پہ فوجیں چھاؤنی ڈالے
ہمارے مال و جاں محفوظ ہیں قزاق و رہزن سے ‏ اماں حاصل ہے ہم کو یورشِ جاپان و جرمن سے
نہ خطرہ غیر ملکی حملہ ہائے ناگہانی کا ‏ نہ اندیشہ کوئی اغیار کی ریشہ دوانی کا
کوئی قوت اگر ٹکرانا چاہے بھی حکومت سے ‏ حکومت زیر کر سکتی ہے اسکو پوری قوت سے
اگرچہ اس میں اڑ جاتا ہے روپیہ ملک کا سارا ‏ بغیر اس انتظامِ خاص کے لیکن نہیں چارا
اگر تخفیف کر دی جائے اخراجاتِ لشکر میں ‏ بپا ہو جائیگی اک سخت شورش انڈیا بھر میں

کسی جانب سے اگر روس ہمکو آ دبوچے گا — کسی جانب سے اٹلی سر پہ چڑھکر ہمکو نوچے گا
کسی درے سے افغانوں کا دل ہم پر چڑھ آئیگا — کسی ساحل سے جاپان آکے ہم پر بم گرائیگا
ہمارا ملک بن جائیگا اک لاوارثی لاشا — کہ جس پر چار جانب گدھ ہی گدھ منڈلائینگے . .
نتیجہ بس یہ ہوگا جان کو غیروں کی رو بیٹھیں — ہم اپنی پیاری برٹش سلطنت ہاتھوں سے کھو . . . .

یہ ہے برطانیہ کا عین آئینِ جہانبانی
کہ اس مد میں روپے کو یوں بہا دیتی ہے وہ پانی

ہر آزادی جو ہو سکتی ہے ممکن ہمکو حاصل ہے — رعایا شاد ہے آباد ہے خرم ہے خوشدل ہے
زبان آزاد ہے اپنی قلم آزاد ہیں اپنے — پڑا ہے صاف رستہ اور قدم آزاد ہیں اپنے
دماغ و دل ہیں چشم و گوش ہیں ارواح و اعضا ہیں — ہر آزادی کی دوڑی ہوئی اب ساری دنیا میں
پریس آزاد ہے، اخبار کو ہے کامل آزادی — مگر با وصف اسکے اب بھی اک طبقہ ہے فریادی

سبب یہ ہے کہ یہ سب لوگ ناخواندہ ہیں جاہل ہیں — جبھی تو سب یہ اصلاحات انکی زہر ہلاہل ہیں
سمجھتے ہیں بھلا اپنا وہ ہر اس بات کے اندر — حکومت جس سے ہر لحظہ رہے خطرات کے اندر
کوئی کتنی ہی بہتر رائے ہو لیکن نہ مانیں گے — حکومت جو کہے گی اسکو وہ الٹا ہی جانیں گے
حکومت کو برا کہنا ہی ان لوگوں کا ہے پیشہ — نظام سلطنت کو ان سے ہے ہر وقت اندیشہ

نہ کی جائے اگر بروقت فوراً روک تھام انکی　　تو ڈھیلی ہو کے سو خطروں کا باعث ہو لگام انکی

بچاتی ہے حکومت انکی زہریلی ہواؤں سے　　کہ اسکا فرض ہے ہمکو الگ رکھنا بلاؤں سے

ہماری اس مصیبت پر ہے اسکو ہم سے ہمدردی　　وہ اس مشکل میں کھل کر دے رہی ہے دادِ پامردی

کوئی مفسد جو پھیلاتا ہے شورش نوجوانوں میں　　تو اس کو ٹھونس دیتی ہے حکومت جیلخانوں میں

کچل دیتی ہے ہر تحریک کو کیسی ہی بہتر ہو　　ذرا سی بھی زد اس کی گر مفادِ سلطنت پر ہو

یہ بات اسکو گوارا ہو نہیں سکتی حقیقت میں　　کہ جذبہ خود سری کا کوئی پیدا ہو رعیت میں

جو یہ ہوگا تو پھر چھوٹے بڑے میں فرق کیا ہوگا

سوا اس کے کہ اک ہنگامۂ محشر بپا ہوگا

مچاتے ہیں جو ہلڑ کوئی کہدے ان کو سمجھا کر　　وہ آخر چاہتے کیا ہیں یہ سب بے جا شور مچوا کر

اگر یہ مدعا ہے ہند سے انگریز بیچارے　　چلے جائیں حکومت چھوڑ کر انگلینڈ کو سارے

تو یہ کہئے کہ ہوگا حال کیا ان غم نصیبوں کا　　نہیں ہے پوچھنے والا بھی کوئی جن غریبوں کا

وہ ہنگامے بپا ہونگے یقیناً ملک کے اندر　　کہ کھا جائیگی چکر عقلِ افلاطون و اسکندر

قتال و خون کی ہوگی وہ ہر سو گرم بازاری　　کہ منہ دیکھے گی چنگیز و ہلاکو کی بھی خونخواری

ہوا ہے سو برس میں ہمکو جو امن و اماں حاصل　　اُسے کر دیگی ملیا میٹ بالکل تیغِ مستاصل

یہ جلوے یہ دل آویزی یہ ہنگامے یہ نظارے
یقین جانو کہ اسکے بعد یہ بھی ختم ہیں سارے

نہ دل میں اور نہ کوئی روح میں تابندگی ہوگی
وہی بے شرمی و بے غیرتی کی زندگی ہوگی

اُمنڈ آئیں گے بادل پھر وہی جہل و فلاکت کے
بہم ہو جائیں گے اسباب پھر اپنی ہلاکت کے

وہی درماندگی دربے کسی و ابتری ہوگی
وہی بغض و نفاق و حرص کی غارتگری ہوگی

چلن اُٹھ جائیگا تہذیب و اخلاق و شرافت کا
وہی آجائیگا پھر دورِ جہل و بربریت کا

مگر اسوقت پچھتانے سے پھر کیا فائدہ ہوگا
کہ ہونا ہوگا جو کچھ وہ یقیناً ہو چکا ہوگا